مجمع الفقہ الحنفی الہند

ہندوستان میں

شرعی پنچایت ہی کیوں؟

دارالقضاء کیوں نہیں؟

افادات

مُصلحِ اخلاف، ترجمانِ اسلاف، فقیہِ احناف

ترجمانِ حق حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس رومیؒ صاحبؒ

سابق مفتی شہر آگرہ

جامع

مجدالقدوس خبیب رومی

صدر مفتی مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور و مفتی شہر آگرہ

ناشر

مجمع الفقہ الحنفی (الہند)

تفصیلات

نام کتاب	:	ہندوستان میں شرعی پنچایت ہی کیوں؟ دارالقضاء کیوں نہیں؟
افادات	:	ترجمان حق حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس رومیؒ
جامع	:	مجدالقدوس خبیب رومی
طبع اوّل	:	۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰۱۸ء
تعداد	:	۱۰۰۰
مطبع	:	الاتحاد دیوبند
رابطہ:	:	+91-9358402797
		E-mail:majdulquddoos@gmail.com
شائع کردہ	:	مجمع الفقہ الحنفی (الہند)
		۹ / ۶۵۴، دارالافتاء، محلہ مفتی، شہر سہارن پور (یوپی) ۲۴۷۰۰۱
باہتمام	:	مجلس ترجمان حق آگرہ
		۱۸ / ۱۴، میاں نظیرؔ مارگ، تاج گنج، آگرہ، ۲۸۲۰۰۱
صفحات	:	۱۴۴
کمپوزنگ	:	حمدالقدوس
سیٹنگ	:	محمد مہر علی قاسمیؔ (دھنباد جھارکھنڈ) جامعہ اکل کوا
قیمت	:	

ملنے کے پتے

❁ کتب خانہ امدادالغرباء سہارن پور ❁ مکتبہ حکیم الامت سہارن پور

❁ مکتبہ اتحاد دیوبند ❁ مکتبہ مدنیہ دیوبند

فہرست کتاب

لوٹ پیچھے کو ذرا ابلق ایام ابھی

متحدہ ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کے انقلاب (حکومت، قانون، تعلیم اور معیشت وغیرہ پر برطانوی قبضہ وتسلط کے بعد) ۱۸۶۴ء میں برطانوی حکومت ہند نے مسلمان قاضیوں کی تقرری موقوف کردی (جو آج تک موقوف ہی ہے اور قاضی کی حیثیت صرف نکاح خواں کی ہی رہ گئی ہے)؛ حالاں کہ اس سے پہلے ہر علاقہ میں حکومتِ وقت کی طرف سے باقاعدہ مسلمان قاضی مقرر کیے جاتے تھے جو مسلمانوں کے عائلی تنازعات میں شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلے دیا کرتے تھے؛ اگرچہ غیر منقسم ہندوستان میں مسلم ریاستیں بااختیار باقی تھیں (مثلاً ریاست حیدرآباد، بھوپال، رام پور، بھاول پور اور لکھنؤ وغیرہ) اور ان کے مقرر کردہ قاضی بھی بااختیار موجود تھے، اس لیے قاضی شرعی کی بالکلیہ عدم موجودگی کا احساس نہیں ہوا تھا۔

۱۹۱۷ء میں فخر الاسلام حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ (مہتمم خامس دار العلوم دیوبند) نے مختلف مسالک کے تقریباً ایک ہزار سے زائد تائیدی دستخطوں کے ساتھ علمائے دیوبند کی جانب سے ۱۰؍ تجاویز وزیر ہند کے توسط سے وائسرائے ہند کو پیش کی تھیں، ان تجاویز میں تجویز نمبر ۳؍ کا خلاصہ یہ تھا کہ ”تمام معاملات فیما بین اہل اسلام بموجب قانون شرع محمدی، قاضی ومفتیان کی عدالت ہائے اسلامی سے طے ہونے چاہئیں اور اس قسم کی عدالتیں شرعِ محمدی کے مطابق ملک ہند میں قائم ہونی چاہئیں۔“

(روداد سالانہ مدرسہ عالیہ عربیہ دیوبند بابت ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۷ء)

یہ تجویز اسی لیے حکومت کو پیش کی گئی تھی کہ براہ راست عامۂ مسلین کی طرف سے قاضی کا تقرر نہیں ہوسکتا، اس پر صرف حضرت تھانویؒ اوران کے ہم خیال علما ہی نہیں؛ بل کہ عموماً جمہور علمائے ہند خصوصاً اکابر فقہائے تھانہ بھون، گنگوہ، انبہٹہ، دیوبند، سہارن پور وغیرہم متفق تھے۔

دوسری طرف ۱۹۱۷ء ہی میں جمہور علمائے ہند کے برخلاف ایک ''شرذمۂ قلیلہ'' نے منحرف عن الجمہور موقف اختیار کرتے ہوئے متحدہ ملک کے ایک صوبہ میں اولاً انجمن علمائے بہار ثانیاً امارت شرعیہ بہار اوراس کے تحت دارالقضاء بہار کی بنیاد رکھ دی اور تقلد القضاء من الکافر کو غلط اور نصب القاضی من العامۃ کو صحیح قرار دینے کی نہایت شد ومد سے سعی وکوشش شروع کردی اوراز خود امیر وقاضی بننے اور بنائے جانے پر انتہائی زور صرف کر ڈالا؛ اگرچہ اس منحرف عن الجمہور موقف کو اس وقت سوائے ایک صوبہ کے غیر منقسم ہندوستان میں کسی نے تسلیم وقبول نہیں کیا اور آج تک اس فکر وعمل کو قبول عام حاصل نہیں ہو سکا ہے۔ (لیکن وہ ہی منحرف عن الجمہور موقف اور فکر وعمل اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اور دارالقضاء کمیٹی آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذریعہ اب پھر پورے ملک میں جاری کرنے کی کوشش ہو رہی ہے)۔(۱)

عطائے تو بہ لقائے تو

(۱) ''یہ بات محتاج بیان نہیں کہ محض چند فیصد افراد سے نہ اجتماعیت کا قیام عمل میں آتا ہے، نہ چند افراد کی مخالفت سے وحدت واجتماعیت پارہ پارہ ہوتی ہے''۔

(ہندوستان اور نظام قضاء، مقبوضہ حیلہ نا جزہ: صفحہ ۴۱۷، مطبوعہ معہد الشریعۃ لکھنؤ)

یہ اصولی بات ۱۹۱۷ء میں علمائے ہند کی متفقہ تجویز برائے قاضی بااختیار از حکومت ہند کے ہوتے ہوئے بانی انجمن علمائے بہار کی مختلف فیہ تجویز برائے خود ساختہ امیر وقاضی کے لیے بھی تسلیم اور قبول کرنی چاہیے۔ (مجد)

۱۹۱۹ء میں فقیہ النفس حضرت مولانا خلیل احمد انبہٹوی ؒ نے دوبارہ تقرر قضاۃ کی تحریک کی، ۱۹۲۴ء میں اکابر اہل علم وافتاء مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور نے مستقل طور پر یہی فتویٰ دیا، ۱۹۲۶ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی ؒ نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ؒ کی تائید کے ساتھ ''القول الماضی فی نصب القاضی'' اسی مقصد سے تحریر کیا، جسے ۱۹۲۸ء میں حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلی ؒ نے دوبارہ لکھ کر متحدہ ہندوستان کے مشاہیر واکابیر اہل علم وافتاء خصوصاً مفتیان سہارن پور، دیوبند، دہلی، فرنگی محل لکھنؤ، کانپور، اٹاوہ، بھوپال، گجرات، پنجاب، سندھ، بنگال وکشمیر وغیرہ ۳۰ مقامات کے ۱۲۶ علماء کی تائیدات وتصدیقات وتوثیقات کے ساتھ ''علمائے ہند کا متفقہ فتویٰ'' شائع کیا۔

دارالقضاء امارت شرعیہ (بہار) کے قیام کے فوراً بعد حضرت مولانا خلیل احمد انبہٹوی ؒ کے معتمد کاتب فتاویٰ حضرت مفتی ضیا احمد گنگوہی ؒ نے بھی یہ فتویٰ دیا تھا کہ دارالقضاء (بہار) کا مقرر کردہ قاضی شرعاً قاضی نہیں ہے اس لیے اس کا فسخِ نکاح شرعاً معتبر نہیں! (جیسا کہ فتاوی مظاہر علوم قلمی میں مذکور ہے)

اس مسئلہ میں مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور کے اکابر مفتیان کرام (حضرت مولانا خلیل احمد انبہٹوی ؒ، حضرت مولانا عنایت الٰہی سہارن پوری ؒ، حضرت مولانا عبداللطیف پورقاضوی ؒ، حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوری ؒ، حضرت مفتی اشفاق الرحمن کاندھلوی ؒ، حضرت مولانا اسعد اللہ رامپوری ؒ، حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی ؒ) سے ان کے اصاغر (حضرت مفتی سعید احمد اجراڑوی ؒ، حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی ؒ، حضرت مفتی محمد یحییٰ سہارن پوری ؒ، حضرت مفتی مظفر حسین اجراڑوی ؒ، حضرت علامہ رفیق احمد مفتاحی ؒ، حضرت

علامہ محمد یامین سہارن پوریؒ، حضرت مولانا اطہر حسین اجڑاڑویؒ، حضرت مفتی عبدالعزیز رائے پوریؒ، حضرت مولانا وقار علی دھام پوریؒ، حضرت مفتی عبدالقیوم رائے پوری مدظلہ تک یہی مُجمع علیہ موقف رہا ہے۔ **فللہ الحمد و المنة!**

۱۹۳۶ء میں حکیم الامۃ، مجد د الملۃ، محی السنۃ الظاہرۃ والباطنۃ حضرت مولانا تھانویؒ نے فقہائے تھانہ بھون، مفتیان سہارن پور اور علمائے دیو بند کی تائید و تصدیق و توثیق اور جمہور علمائے ہند کے اجماع و اتفاق کے ساتھ **"الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة"** تیار کرائی۔ یہ حضرتؒ کی فراست صادقہ ہی تھی کہ خداداد دوراندیشی سے آیندہ کا شرعی انتظام فرما گئے کہ جب نہ اپنی حکومت و سلطنت باقی رہ گئی ہے اور نہ امارت و قضاء کی شرعی صورت ہی اپنے اختیار میں ہے تو ایسی مجبوری و مقہوری کی صورت میں جماعت مسلمین، شرعی پنچایت اور محکمہ شرعیہ کے علاوہ کوئی شرعی صورت اپنی استطاعت ہی میں نہیں ہے۔ فتدبّر و تشکّر!

مناسب؛ بل کہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس تلبیس و تدلیس کے دور میں جب کہ حقائق ملتبس ہو رہے ہیں اس غیر معمولی اور معرکۃ الآراء کتاب کا مبنی بر حقیقت تعارف بھی لکھ دیا جائے جو اپنے موضوع پر منفرد اور جماعت مسلمین کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

تعارف:

الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة: دراصل کل سات رسائل مفیدہ کا مجموعہ ہے، جس کا کامل ایڈیشن اس کے سب سے پہلے ناشر، مفتی اعظم دارالعلوم دیو بند، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیو بندیؒ نے دارالاشاعت دیو بند سے **۱۳۵۵ھ** مطابق

۱۹۳۶ء میں طبع کرا کر شائع کیا تھا۔ عنوانات رسائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ تصدیقات مشاہیر علمائے ہند

(جس میں متحدہ ہندوستان کے متفقہ علمائے حنفیہؒ کی تصدیقات مذکور ہیں)

۲۔ الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ

(جس میں نکاح کے وقت تفویض طلاق کا مفصل حکم اور زوجۂ عنین و مجنون و مفقود و متعنت و غائب وغیرہ کی شرعی صورتیں مذکور ہیں)

۳۔ المختارات فی مھمات التفریق و الخیارات

(جس میں خیار بلوغ و کفاءت اور حرمت مصاہرت کے شرعی احکام مذکور ہیں)

۴۔ حکم الإزدواج مع اختلاف دین الأزواج

(جس میں زوجین کے اختلاف دین اور نکاح فسخ ہونے نہ ہونے کی صورتوں کے شرعی احکام کی تفصیلات مذکور ہیں)

۵۔ المرقومات للمظلومات

(جس میں مذکورہ تین رسائل کا عام فہم خلاصہ اور تمام صورتوں کا مختصر دستور العمل درج ہے)

۶۔ مجموعۃ الفتاوی المالکیۃ

(ہندوستان میں ایک عرصے سے باقاعدہ امیر و قاضی نہیں ہیں، اسی وجہ سے یہ کتاب (الحیلۃ الناجزۃ) لکھی گئی اور دارالامارۃ و دارالقضاء کے بجائے جماعت مسلمین، شرعی پنچایت، محکمہ شرعیہ قائم کیے گئے؛ چناں چہ غیر منقسم ہندوستان کے جمہور علمائے احنافؒ سے استفسار کے بعد اس مشکل مسئلہ کا شرعی حل تجویز کرنے کے لیے پانچ مرتبہ

اکابر علمائے مالکیہ رحمہم اللہ تعالیٰ مدینہ منورہ سے استفسارات کیے گئے تھے، اس رسالہ میں ان کے جوابات مذکور ہیں)

۷۔رفاق المجتھدین للنظر فی وفاق المجتھدین

(اس رسالہ میں مسئلہ زیر بحث پر مولانا ابوالمحاسن سجاد سبحانیؒ (بانی امارت وقضا بہار) کی جانب سے کیے گئے شبہات کے جوابات مذکور ہیں، حیلہ ناجزہ پر غیر منقسم ہندوستان کے قریباً ۵۸/اصحابِ علم وافتاء کی تصدیقات وتوثیقات ثبت ہیں، اس سلسلہ میں صرف مولانا موصوف نے اختلاف رائے ظاہر کیا تھا جس کا مدلل، مفصل اور مکمل جواب حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے معتمد مفتی مولانا عبدالکریم گمتھلویؒ نے ۱۳۵۳ھ، ۱۳۵۴ھ، ۱۳۵۵ھ میں تحریر فرمایا تھا، جس سے حضرت مولانا مدنیؒ، مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور دارالعلوم ومظاہر علوم کے اکابر اہلِ علم وافتاء پورے طور پر مطمئن اور متفق تھے۔)

درحقیقت یہ معتبر ومعتمد اور مستند مجموعہ رسائل سبعہ، فقہائے تھانہ بھونؒ، مفتیان سہارن پورؒ اور علمائے دیوبندؒ کی مشترک تحقیق وتصنیف اور تالیف ہے، اس کی ترتیب وتہذیب، تصحیح وتنقیح اور تلخیص وتسہیل میں حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ محی السنۃ الظاہرۃ والباطنۃ مولانا تھانوی نوراللہ مرقدہ کی سربراہی اور سرپرستی ونگرانی میں حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ، حضرت مولانا سراج احمد امروہیؒ، حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا عبدالسمیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا رسول خاں ہزاروی، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد مبارک علی بجنوریؒ، حضرت مفتی ریاض الدین بجنوریؒ، حضرت مولانا اصغر حسین دیوبندیؒ، حضرت مفتی مسعود احمد دیوبندیؒ، حضرت مولانا اعزاز علی

امروہیؒ اور حضرت مولانا عبداللطیف پورقاضویؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ، حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رامپوریؒ، حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور ان جیسے قریباً ۵۸/اہل تدین وتفقہ صاحبان علم وافتاء نے انتہائی غور وخوض کے ساتھ اپنی توجہات مبذول فرمائی ہیں، اس کا کچھ اندازہ ان حضرات کی تصدیقات وتوثیقات کو دیکھ کر ہی کیا جاسکتا ہے۔

اس خالص علمی وفقہی اور دینی وفکری کوشش وکاوش کے متعلق خود حضرت والا تھانویؒ نے بارہا ارشاد فرمایا کہ:

''مجھے اتنی مشقت عمر بھر کسی کام میں نہیں ہوئی''

حق تعالیٰ شانہ حضرت والاؒ اور آپ کے جملہ معاونین بالخصوص عینین حکیم الامۃ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلیؒ کو ان کے سب مستفیدین کی جانب سے اپنی شایانِ شان جزائے خیر عطا فرمائے اور عامۃ المسلمین کو اپنے تمام مسائل اخلاص وہمت اور استقامت کے ساتھ محض اپنی محبت ورضا کے لیے شریعت اسلامیہ کی روشنی میں حل کرانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

یہ کتاب مستطاب وقت تصنیف سے آج تک حضرات مفتیان کرام کے دارالافتاء میں مفتیٰ بہ اور ہر محکمہ شرعیہ (شرعی پنچایت) میں معمول بہ اور پورے برصغیر کے جمہور علماء کے نزدیک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ع

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

اہلِ امارت وقضا بہار کی طرف سے اس متفقہ اور مجمع علیہ عندالجمہور کتاب پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا رہا ہے کہ دارالقضاء کے بجائے شرعی پنچایت ہی کیوں قائم کی جائے؛

حالاں کہ جس طرح بے اختیار قاضی کو قوت تنفیذ احکام حاصل نہیں ہے؛ اسی طرح جماعت مسلمین (شرعی پنچایت) کو بھی قوت تنفیذ احکام حاصل نہیں ہوتی؟

اس اشکال کا جواب بالکل واضح ہے کہ بے شک قانونی طور پر تو قوت تنفیذ احکام دونوں کو حاصل نہیں؛ لیکن شرعی طور پر جماعت مسلمین کو اعتبار حاصل ہے اور بے اختیار قاضی کو شرعاً اعتبار ہی حاصل نہیں ہے؛ اسی لیے اس کا فیصلہ بھی شرعاً نافذ نہیں ہوسکتا۔ فافترقا!

اصول شرعیہ اور تصریحات حنفیہ کی بنیاد پر فقیہ النفس حضرت مولانا خلیل احمد انبہٹویؒ نے **فتاوی خلیلیه** میں، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے رسالہ **القول الماضي فی نصب القاضي** میں، مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ دہلویؒ نے **کفایت المفتی** میں، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے رسالہ **معارفِ شیخ** میں اور ان حضرات اکابر اہل علم وفضل کے علاوہ قریباً سوا سو علمائے احنافؒ نے اپنے متفقہ فتوے میں اس مسئلہ کی تائید کی ہے کہ:

''اگر کسی شہر کے باشندوں نے مجتمع ہوکر کسی کو قاضی بنا دیا تاکہ وہ ان کے مقدمات کا فیصلہ کیا کرے تو وہ شخص شرعاً قاضی نہیں ہوگا۔'' (فتاوی ہندیہ)

الف: اس انتہائی واضح عبارت کا جو خود تراشیدہ محمل ''ہندوستان اور نظام قضاء'' میں تجویز کیا گیا ہے وہ معتمد علمائے کرام، معتبر مفتیان عظام اور مستند فقہائے حنفیہ میں سے کسی نے کتب فقہ وفتاوی میں مراد نہیں لیا ہے۔

ب: اسی طرح امت مسلمہ کے بحرانی حالات میں جب کہ خلیفہ وسلطان مسلم موجود نہیں اور مسلمان غیر مسلم حکومت کے زیر اقتدار ہیں، یہاں کے بحرانی حالات میں

ہندوستان کے نظام قضاء میں ''بحرانی قاضی'' کی صورت تجویز کی گئی ہے؛ حالاں کہ اس صورت کا شرعی حل شرعی پنچایت موجود ہے۔

ج: علامہ ابن عابدین شامیؒ اور شیخ عبداللہ فوقیؒ کی رائے ''**نصب القاضي من العامة**'' کسی طرح قرین قیاس نہ ہونے کی وجہ سے مذکورۃ الصدر اکابر علما و مفتیان ہندوستان نے تسلیم وقبول نہیں کی۔

د: دارالقضاء کمیٹی، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے کنوینر صاحب کی یہ تجویز بھی ہے کہ موجودہ ہندوستان میں ایک ہی جگہ کئی قاضی مقرر کر دیے جائیں (جس کے لیے) ایک ''قاضی کونسل'' تشکیل دیدی جائے۔ کیوں کہ۔ قاضی کونسل پر اتفاق حاصل کرنا ایک قاضی پر اتفاق حاصل کرنے کے مقابلہ زیادہ آسان ہے۔ اگر ایسا کیا جا سکتا ہے تو ''قاضی کونسل'' کے بجائے سہ نفری ''شرعی پنچایت'' (محکمہ شرعیہ) قرار دینے میں کیا پریشانی لاحق ہے؟

اس صورت میں جمہور علمائے ہند کے متفقہ اور مُجمع علیہ موقف سے اختلاف و انحراف بھی لازم نہیں آئے گا۔

چناں چہ اس سلسلہ میں سب سے اہم مفسدہ یہی ہے کہ جب قاضی شرعی نہیں تو اس کا فیصلہ بھی شرعاً نافذ نہیں ہوگا مثلاً کسی غیر شرعی قاضی نے کسی شخص کی منکوحہ کا نکاح فسخ کر دیا تو وہ اس کے فسخ کرنے سے شرعاً فسخ نہیں ہوگا، اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے جائز و درست نہیں ہوگا اور وہ عورت حسب سابق اپنے شوہر کے نکاح میں رہے گی؛ کیوں کہ بُضع میں اصل تحریم ہے اور جب اباحت وتحریم کے درمیان تعارض ہو تو ترجیح تحریم ہی کے پہلو کو ہوتی ہے۔ یہ قواعد فقہیہ شرعیہ مسلمہ ہیں!

دوسرا اشکال حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ (صدر اول آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ) جیسے اہل علم وفکر کی جانب سے یہ کیا گیا ہے کہ مسلک مالکی میں شرعی پنچایت کے افراد کے درمیان اتفاق رائے ضروری ہے ان کے عدم اتفاق کی صورت میں فیصلہ شرعاً نافذ نہیں ہوسکتا؟

یہ اشکال انتظامی حیثیت سے لائق توجہ ہے؛ لیکن اس مشکل کا آسان اور تجربہ میں آیا ہوا حل یہ ہے کہ شرعی پنچایت کم از کم تین نفر پر مشتمل قائم کی جائے (ایک باقاعدہ احکام داں، دوسرا مسلم قانون داں، تیسرا معاملہ فہم تجربہ کار) ایسی صورت میں اختلاف رائے عموماً پیش نہیں آتا، یہ رائے متدین وفقیہ اہل علم وتجربہ کی ہے، یہی اس مشکل کا واقعی سہل اور مجرب حل ہے!

بلاشبہ دین ودنیا کے ہر کام کو انجام دینے کے لیے علم صحیح، فہم سلیم اور حسن انتظام از بس لازم وضروری ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین!

''الحیلۃ الناجزۃ'' کے متعدد ایڈیشن دیوبند، دلی اور لکھنؤ وغیرہ کے مختلف کتب خانوں پر دستیاب ہیں؛ لیکن ان میں بعض جدید ایڈیشن ایسے ہیں جنھیں ان کے مرتبین و ناشرین نے اپنے اپنے فکر ونظر کے مطابق طبع کرا کر شائع کرایا ہے، جن میں اپنے مقدمات والحاقات واضافات ایسی صحافتی چابک دستی کے ساتھ شامل ولاحق کیے ہیں جن سے اصل کتاب کے قارئین وناظرین کی ایسی نظر بندی ہوگی کہ ان کو اصل کتاب اور اس کے ڈپلومیٹ ایڈیشن کے درمیان امتیاز کرنا اور فرق سمجھنا مشکل ہوگا، ان میں سے دیوبند کے بعض ایڈیشنوں میں اغلاط تو کتابت وطباعت تک ہی محدود تھیں اور دہلی کے ایڈیشن میں مرتب کتاب کی بے خبری کو دخل ہوگیا ہے کہ اتفاق سے ان کے سامنے سب غلط ایڈیشن ہی آگئے تھے صحیح ایڈیشن ان کی نظر سے گزرے ہی نہیں تھے؛ البتہ لکھنؤ کے

ایڈیشن میں ایک ''محقق'' صاحب کی حد سے بڑھی ہوئی ''تحقیق'' کو دخل ہو گیا اور موصوف نے واقعی ''مخمل میں ٹاٹ کا پیوند'' ہی لگا دیا اور دیدہ و دانستہ ''وضع الشئ فی غیر محلہ'' کا ارتکاب کیا؛ چناں چہ الحیلۃ الناجزۃ کے موضوع اور متحدہ ہندوستان کے مختلف مسالک کے جمہور اہل علم و افتاء کے متفق علیہ موقف (تراضی مسلمین سے قاضی کا تقرر درست نہیں) کو تبدیل کرنے کی جسارت کی ہے؛ چناں چہ ایک طرف علمی خلط مبحث کرتے ہوئے حیلۂ ناجزہ کے سات رسالوں کو چھ میں ضم کر دیا اور اصل کتاب کا ساتواں رسالہ ''ہندوستان اور نظام قضاء'' کو قرار دے کر آخر میں لاحق کر دیا دوسری طرف عملی مغالطہ دہی یہ شروع کر دی کہ شرعی پنچایت اور دار القضاء کو خلط ملط کیا جا رہا ہے: حالاں کہ دونوں کے مصداق شرعاً اور عرفاً علیحدہ علیحدہ ہیں۔

اس لیے علمی، دینی اور تاریخی ریکارڈ درست رکھنے کے لیے ضرورت ہے کہ اس کتاب کے قدیم نسخہ کی دوبارہ طباعت و اشاعت کی جاتی رہے؛ کیوں کہ اس کا سب سے پہلا ایڈیشن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے دار الاشاعت دیوبند سے ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں طبع کرا کر شائع کیا تھا وہ سب سے صحیح ایڈیشن ہے۔

۱۹۳۷ء میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے ارشاد سراپا رشاد ''**علمائے دین کا کام یہ ہے کہ مسلمانوں کو من حیث المذہب بگڑنے نہ دیں اور زعمائے قوم کا کام یہ ہے کہ مسلمانوں کو من حیث القوم مٹنے نہ دیں**'' کے اثر اور پریوی کونسل کے مسلم اراکین کی سعی و کاوش سے ''شریعت اپلیکیشن ایکٹ'' منظور ہو گیا (جو مسلم پرسنل لا کی بنیاد ہے) اس کے بعد مسلم علما و زعماء کی مسلسل کوشش سے ۱۹۳۹ء میں حیلۂ ناجزہ کی روشنی میں قانون ''فسخ نکاح مسلمین'' پاس ہوا؛ لیکن ''قاضی بل'' ہنوز تشنہ تکمیل ہے۔

۱۹۴۵ء میں مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ (ناظم جمعیۃ علمائے ہند) کی جانب سے ہندوستان میں امارت وقضاء کی دوبارہ تحریک کی گئی جس کو اس وقت کے مسلم ومستند اور معتبر ومعتمد اہل علم وفضل اکابر علمائے کرام، خصوصاً حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ (مفتی مدرسہ اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند) حضرت مفتی سعید احمد اجراڑویؒ (مفتی مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور) اور حضرت مفتی سید عبدالکریم گمتھلیؒ (مفتی خانقاہ امداد القلوب مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون) وغیرہم نے متفقہ طور پر رد کر دیا تھا اور اکابر مظاہر حضرت مولانا سید عبداللطیف پورقاضویؒ، حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوریؒ، حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ وغیرہم نے صاف طور پر یہ تحریر فرمایا تھا کہ ''جہاں تک اہل مذہب کے نصوص کا تتبع کیا گیا والی وامیر کے متعلق قدرت (قوت تنفیذ) ایسی شرط معلوم ہوتی ہے جو رکن کا درجہ رکھتی ہے؛ لہٰذا کسی ایسے امیر کا انتخاب جس میں قدرت نہ ہو اس پر شرعی امیر کا اطلاق سمجھ میں نہیں آسکا، اسی طرح تراضی مسلمین سے جو قاضی ہوتا ہے وہ شرعی قاضی شمار نہیں ہوتا''۔! (جیسا کہ معارف شیخ حصہ اول میں ہے)

۱۹۸۷ء میں قائدین ملک وملت کو پھر خیال آیا، اب یہ تحریک جمعیۃ علمائے ہند دہلی اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ دونوں طرف سے بیک وقت اٹھی اور ''امیر الہند'' اور ''امیر شریعت'' دو شخصیتوں کو یکے بعد دیگرے نامزد اور منتخب کر دیا گیا (اور اس کے بعد دونوں طرف سے دار القضاء کے قیام پر بھی زور دیا جانے لگا) جس کی تردید اسی وقت والدی حضرت مفتی عبدالقدوس رومیؔ صاحبؒ نے اجلاس آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ منعقدہ بمبئی میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاںؒ سے اور استاذی حضرت مفتی مظفر حسین صاحب المظاہریؒ نے اجلاس جمعیۃ علمائے ہند منعقدہ کانپور میں حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سے احقر کے ذریعہ زبانی اور تحریری طور پر فرمادی تھی۔

نیز ’’مشاہیر علمائے ہند‘‘ (مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور، دارالعلوم (وقف) دیو بند، خانقاہ امدادالعلوم تھانہ بھون، مفتاح العلوم جلال آباد، خانقاہ وصیۃ العلوم الٰہ آباد، مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور، جامعہ فاروقیہ اتراؤں الٰہ آباد، بیت المعارف الٰہ آباد، افضل المعارف الٰہ آباد، جامع الہدیٰ مرادآباد، وغیرہ) کا متفقہ فتویٰ امارت اور قضاء کی عدم صحت سے متعلق شائع کردیا گیا تھا۔

اس مسئلہ پر اسی زمانہ میں اکابر علمائے کرامؒ ومفتیان عظامؒ نے ایک دوسرے سے استفسارات کیے اور مضامین اور مقالات تحریر فرمائے جو ملک کے بعض جرائد میں اسی وقت شائع بھی ہوئے تھے؛ مگر ۱۹۱۷ء سے ۱۹۸۷ء تک (۷۰ رسال) کے وہ تاریخی اور یادگار فتاویٰ کہیں یکجا نہیں تھے اس لیے ترجمانِ حق حضرت والد صاحبؒ کا شدید تقاضہ تھا کہ یہ سب استفسارات، مضامین و مقالات ’’ہندوستان میں شرعی پنچایت ہی کیوں؟ دارالقضاء کیوں نہیں؟‘‘ کے زیر عنوان جمع کر کے شائع کردیے جائیں؛ تاکہ ائمہ مساجد، علمائے مدارس اور مفتیانِ مراکز کے لیے سہولت اور تقویت کا باعث ہو، منجانب اللہ یہ وقت اس کام کے لیے مقدر تھا اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اس کے ذریعہ واقفین کو استقامت مسلمانوں کو شریعت پر عمل کی ہمت اور ناواقفوں کو بصیرت وواقفیت بخشیں۔ (آمین)

اسی سلسلہ میں تقریباً بیس سال قبل حضرت ترجمان حق رحمۃ اللہ علیہ نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذمہ داران کو تحریری طور پر متوجہ کیا تھا؛ مگر صدر وسکریٹری صاحبان جواب کے لیے ایک دوسرے پر ٹالتے رہے۔ اس لائق توجہ تحریر کے چند اقتباسات ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

منظور ہے گزارشِ احوال واقعی:

''یاد پڑتا ہے کہ بنگلور یا مدراس کے اجلاس میں مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے شعبہ دینیات سے وابستہ ایک پروفیسر......... صاحب نے حاضرین اجلاس کی توجہ ایک ایسے ''نکتہ'' کی طرف پھیر دی جسے ''شوشہ چھوڑنا'' ہی کہنا مناسب ہوگا۔ موصوف نے فرمایا کہ مسلمانوں کے ''عائلی مسائل'' سے متعلق جو صورت حال ہمارے سامنے آرہی ہے اسے دیکھتے ہوئے جہاں ہم حکومت سے معارضہ ومزاحمت کی راہ اپنا رہے ہیں وہیں ہمیں اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ہم کتب فقہ میں مذکور اپنے ''عائلی مسائل واحکام'' پر بھی اصلاحی نظر ڈالیں اور جن مسائل میں اغیار وحکومت کو مطمئن کرنے کی صورت نکل سکتی ہو ان میں ہم خود ہی کیوں نہ ترمیم واصلاح کرتے ہوئے اپنے مسائل کو حل کرلیں کہ اغیار وحکومت کے ساتھ منازعت ومعارضہ کے امکانات کم سے کم ہوجائیں''۔

''آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ'' کے ستائیس سالہ سفر کا یہی بنیادی نقطہ ہے جہاں سے ''مکہ ومدینہ'' کی طرف جانے والی گاڑی کا انجن ''کاشی ومتھرا'' کی طرف مڑ گیا اور فوراً ہی ''فقہ قدیم'' کی ''تدوین جدید'' کے ''نامسعود سفر'' کا آغاز کردیا گیا''۔

''عام طور پر دارالعلوم دیوبند کو موجودہ ہندوستانی مسلمانوں کا مرکز علم وفکر سمجھا اور کہا جاتا ہے، اسی جہت سے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے سفر کا آغاز بھی اسی دارالعلوم دیوبند سے ہوا تھا؛ لیکن فقہ قدیم کی جدید کاری کے لیے شاید زمین دیوبند کو زرخیز نہیں سمجھا گیا اور فقہ قدیم کی اس جدید کاری کے لیے اسی خطۂ بہار کو مرکز بنایا گیا جہاں اب سے تقریباً ۶۰؍ سال پہلے امارت وقضاء کے سلسلہ میں اس سرزمین کی زرخیزی کا تجربہ کیا

جاچکا تھا جس کی دعوت وتبلیغ اور اشاعت وترویج کے لیے بہت ہی شد ومد کے ساتھ آج بھی جدوجہد جاری ہے‘‘۔

’’اس طرزِ عمل نے احقر کو یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ احقر کے لیے مسلم پرسنل لاء بورڈ کی رکنیت مناسب نہیں ہے، بورڈ میں ایک خاص فکر کے لوگوں کا غلبہ ہے وہاں دوسری فکر کی بات یوں ہی ردی کی ٹوکری میں ڈالی جاتی رہے گی ابھی اس سلسلہ میں کسی قطعی فیصلہ کی نوبت نہیں آئی تھی کہ بورڈ کے تیرہویں اجلاس کا دعوت نامہ ایجنڈہ سمیت موصول ہوگیا، ایجنڈہ کا گیارہواں نمبر ’’تدوین فقہ اسلامی کی طباعت کے پہلو پر غور‘‘ دیا گیا ہے۔ یہ معاملہ ہم جیسے دقیانوسی اور قدامت پسند لوگوں کے لیے بالکل خطرہ کی گھنٹی ہے، اسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ’’آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ‘‘ اب اپنے اصل وقدیم موقف پر قائم نہیں رہ گیا ہے؛ بل کہ راہِ عمل تبدیل کر دی ہے، اس نے دوسروں کے اعتراضات سے مرعوب و مغلوب ہوکر یہ اعلان کرنے کا ارادہ کرلیا ہے کہ ہندوستان میں اب تک جو فقہ حنفی زیر عمل رہا وہ اسلامی نہیں تھا جس کی وجہ سے دوسروں کو اس میں کیڑے نکالنے اور اعتراض کرنے کا موقع ملتا رہا ہے اصل ’’فقہ اسلامی‘‘ یہ ہے جو مدت دراز کے بعد آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی نگرانی میں تیار کیا گیا ہے‘‘۔

’’معاملہ کا یہ پہلو ممکن ہے بہت سے حضرات کے لیے خوش کن اور مسرت افزا ہو؛ لیکن راقم سطور جیسے بہت سے قدامت پسندوں کے نزدیک یہ زبردست انتشار وتشتت کا موجب ہوگا۔ ایسی صورت میں احقر کے لیے اس کی رکنیت کی برقراری جائز سمجھ میں نہیں آرہی ہے، مجبوراً رکنیت سے استعفاء ہی میں عافیت نظر آتی ہے، استعفاء قبول فرمایا لیا جائے۔ والسلام عبدالقدوس رومیؔ (مفتی شہر آگرہ)، ۱۱/۳/۱۴۲۰ھ، ۲۶/۶/۱۹۹۹ء

موجودہ صورت حال:

(الف) آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے سابق صدر اور جنرل سکریٹری کی سرپرستی ونگرانی میں عدول عن المسلک الحنفی، تلفیق فی المذہب السنی، تتبع رخص فقہاء اور اعتزال بنام اعتدال پر مبنی اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی بنیاد پڑ گئی تھی، جس سے ''مقلد نما غیر مقلدین'' پیدا ہو گئے۔ جن میں خارجیت جدیدہ، اعتزال ونیچریت، غیر مقلدیت اور بے تقلیدی کے خیالات وافعال اور افکار ونظریات شیر وشکر ہو کر زبان وقلم سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ علمہ اکبر من عقلہ وضررہ اکثر من نفعہ کی صورت رونما ہے؛ لہٰذا درء المفاسد اولیٰ من جلب المنافع لازم وضروری ہے!

(ب) اسلامک فقہ اکیڈمی کے جنرل سکریٹری نے اجلاس ہانسوٹ، گجرات میں کہا تھا کہ اکابر اہل علم و افتاء تو ''احتیاط پسند'' تھے اور ہم لوگ ''اعتدال پسند'' ہیں۔ (حالاں کہ ان کے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''یہ لوگ .... کسی ناجائز کو ناجائز نہیں رہنے دیں گے''، جیسا کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ارشاد ہے کہ ''مفتیوں کا مصرف صرف یہ رہ گیا ہے کہ جو چیز رائج ہو وہ اس کو جائز قرار دے دیا کریں'')۔

(ج) اسلامک فقہ اکیڈمی کے اجلاس بنجاری، مدھیہ پردیش میں اس کے ایک مجتہد مطلق نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، فقہ اسلامی کا ایک ایسا ماڈل تیار کرے جو ہمارے ملک کے سیکولر قانون کے اسٹرکچر کے مطابق ہو؛ چناں چہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے ''جدید فقہی مسائل'' میں طلاق ثلاثہ کو رجعی قرار دینے کا فتویٰ اور اس

کے بعد مولانا مجاہد الاسلام مرحوم کے طلاق سکران کے عدم وقوع کا فیصلہ اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے معرکۃ الآراء اور تاریخی کارنامے ہیں، جن سے حکومت کی طرف سے تین طلاق پر مکمل پابندی کی قانونی تجویز پر سپریم کورٹ آف انڈیا کو بھی یقیناً رہنمائی اور گائیڈ لائن ملی ہوگی جس کی نہایت جوش وخروش کے ساتھ زبان وقلم سے تائید محض شیعہ مجتہدین اور غیر مقلدین ہی نہیں؛ بل کہ بعض سنی بزعم خود مجتہدین مطلق بھی کررہے ہیں۔

(د) ایسی صورت میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا موقف بھی مشکوک ہوگیا ہے جس نے اتنے مضبوط مقدمہ کی اتنی کمزور وکالت اپنے غیر مسلم وکیل سے کرادی۔

انتباہ! نہایت افسوس کا مقام ہے کہ اب اس وقت آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا کوئی سنی، حنفی ترجمان اور مسلم وکیل بھی نہیں رہ گیا ہے جو اس کی صحیح شرعی، قانونی ترجمانی اور وکالت عدالت میں کرسکتا!

لمحۂ فکریہ!:

بعض مؤثق ذرائع سے معلوم ہوا کہ ایک مرکزی دارالقضاء کے ذمہ دار نے ہائی کورٹ کے ایک ممتاز وکیل صاحب سے دریافت کیا کہ اگر تحکیم اور ثالثی کرانے والے فریقین یا کوئی ایک فریق فیصلہ ہونے سے پہلے غائب ہوجائے تو ایسی صورت میں عدالت ان کی عدم موجودگی میں کیا کرتی ہے؟ تو وکیل صاحب نے کہا کہ مقدمہ خارج کردیتی ہے؛ کیوں کہ فریقین کا فیصلہ ہوجانے تک تحکیم کو تسلیم کرنا قانوناً لازم ہے یہ سن کر ذمہ دار دارالقضاء نے کہا کہ ہمارے یہاں تو فریقین سے دارالقضاء کے فارم پر پیشگی دستخط کرالیے جاتے ہیں پھر اگر دونوں میں سے کوئی ایک غائب بھی ہوجاتا ہے تو اس کی عدم موجودگی

میں معاملہ فیصل کردیا جاتا ہے، تقریباً ۶۵ ر فیصد مقدمات میں ایسا ہوتا ہے کہ فریقین آخر تک تحکیم کو قبول نہیں کرتے، غائب ہوجاتے ہیں؛ اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو دارالقضاء کی کارکردگی ہی کیا رہ جائے گی۔

حالاں کہ فیصلہ ہونے سے قبل فریقین میں سے کسی ایک کے رجوع کرلینے سے تحکیم شرعاً ختم ہوجاتی ہے؛ لہٰذا اگر واقعی ایسا ہوتا ہے تو اس طرح دارالقضاء سے تحکیم بھی شرعاً صحیح و معتبر نہیں ہورہی ہے۔!

دارالقضاء کے بجائے دارالخلع:

مرکزی دارالقضاء سے متعلق ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مشاورت کے دوران ترجمان حق حضرت مولانا عبدالقدوس رومی صاحبؒ نے ناظم تحقیقات شرعیہ مولانا محمد برہان الدین سنبھلی سے دریافت فرمایا کہ آپ زوجین کے فسخ نکاح کا فیصلہ کس طرح کرتے ہیں جب کہ دارالقضاء کو قوت تنفیذ حاصل نہیں ہے تو مولانا سنبھلی نے بلا تاخیر کہا کہ میں ایسے معاملات میں عموماً خلع کرنے کی رائے دیدیتا ہوں یہ سن کر حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ پھر تو اس کا نام دارالقضاء کے بجائے دارالخلع ہونا چاہیے۔!

رجوع واعتراف:

مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاسمی مرحوم نے مرض الوفات میں اپولو ہاسپٹل دہلی سے حضرت مولانا عبدالقدوس رومی صاحبؒ کی خدمت میں آخری سلام اور یہ پیام کہلایا تھا کہ ”حضرت مفتی صاحب سے میرا اسلام کہیے گا اور کہہ دیجیے گا کہ میرا آپ سے اس مسئلہ میں اتفاق ہوگیا ہے کہ قاضی بے اختیار نہیں بااختیار ہی ہونا چاہیے“۔!

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے اصحاب واتباع کو بھی اس اعتراف ورجوع کی ہمت اورتوفیق نصیب فرمائے۔

بفضلہٖ تعالیٰ یہاں ابھی چار طبقات (عامۃ المسلمین، ائمہ مساجد، علمائے کرام، مفتیان عظام) زندہ اورموجود ہیں، اللہ تعالیٰ ان کوعقائد اسلامیہ اوراعمالِ دینیہ کی حفاظت واشاعت کی اخلاص اوررضائے حق کے ساتھ توفیق ارزانی فرمائے۔آمین!

ان أريد الا الإصلاح مااستطعت، وماتوفيقي الا بالله المتين، وماعلينا الا البلاغ المبين، وصلى الله تعالىٰ وسلم على خير خلقه محمد سيد الرسل وخاتم النبيين وعلى آله واصحابه الذين نشروا احكام الدين، وعلى من تبعهم الى يوم القيامة باخلاص ويقين۔

مجد القدوس خبیب رومی
دارالافتاء، جامع مسجد، آگرہ
عاشوراء محرم الحرام ۱۴۳۹ھ مطابق یکم اکتوبر ۲۰۱۷ء

اہل علم اور ارباب فتویٰ سے اہم گزارش

از: استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جون پوریؒ
(بانی مدرسہ ریاض العلوم چوکیہ گورینی جونپور)

۱۹۳۰ء میں پنجاب کے اندر مسلمان عورتوں کے ارتداد نے جب فتنہ عامہ کی شکل اختیار کر لی تو یہ سوال اٹھایا گیا کہ مسلمانوں کے معاشرتی مسائل نکاح وطلاق میں بعض ایسے بھی ہیں جن میں باہمی نزاع اگر ہو جائے تو ان کے حل کرنے کا طریقہ بجز قضائے قاضی کے اور کچھ نہیں اور برطانوی ہندوستان میں شرعی قاضی موجود نہیں اور نہ بظاہر احوال اس کا امکان ہے۔ اس طرح کتنے مسائل لاینحل اور کتنے ضرورت مند اپنے حق سے محروم رہ جاتے ہیں اور یہ بات دین کامل کو کسی طرح زیب نہیں دیتی کہ وہ ماننے والوں کے ایک طبقہ کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دے۔ اس نازک صورت حال کا جواب حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ نے اپنے رفقاء اور دوسرے اکابر علماء کے تعاون و تصدیق سے مرتب کر کے ''الحیلۃ الناجزۃ'' کے نام سے پیش کیا۔ جس میں ایسے مسائل جو قضائے قاضی پر موقوف ہیں ان کے حل کا فقہ حنفی میں کوئی طریقہ نہ پا کر مجبوراً فقہ مالکی کی طرف انھوں نے رجوع کیا اور فقہائے مالکیہ سے پیہم پانچ سال تک مراسلت اور بحث و تمحیص کے بعد جس میں خصوصیت کے ساتھ علمائے دیوبند اور علمائے سہارنپور کی شرکت و رفاقت رہی، شرعی پنچایت کے طریقہ عمل کو ضرورت کی حد تک قبول کیا۔ گویا فقہ وحدیث کے تین بڑے ادارے دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارن پور اور خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

نے باتفاق رائے اس فتوی کو مرتب کیا اور پھر ملک کے دوسرے علمی حلقوں سے بھی اس کی تحریری تائید حاصل کی، اس وقت امارت شرعیہ بہار کے بانی مولانا سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا؛ لیکن اس کا جواب اسی وقت حضرات اکابر (حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ صاحبؒ وغیرہم) کی موجودگی میں دے دیا گیا تھا، یہ ساری تفصیلات حیلۂ ناجزہ میں موجود ہیں۔ ابھی حال میں ایک کتابچہ نظر سے گزرا جس کا نام ''معاشرتی مسائل کا حل دارالقضاء'' ہے۔ جس کے مرتب جامعہ رحمانیہ مونگیر کے کوئی استاد ہیں۔ اسے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف سے امارت شرعیہ بہار کے امیر محترم مولانا منت اللہ صاحب رحمانی نے اپنے پیش لفظ اور تعارف کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ ہندوستان اور اس جیسے تمام ممالک میں جہاں حکومت کی طرف سے مسلمان قاضی شرعی قوانین کی تنفیذ کے لیے نہیں پائے جاتے، ایسے تمام ممالک میں نہ صرف فقہ شافعی و مالکی؛ بل کہ خود فقہ حنفی کی رو سے عامۃ المسلمین اپنی رضامندی سے کسی متدین عالم کو قاضی مقرر کر سکتے ہیں؛ بل کہ ایسا کرنا اس کے لیے ضروری ہے؛ چناں چہ لکھتے ہیں کہ:

''اس موقع پر یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ عامۃ المسلمین کی طرف سے قاضی کا انتخاب اور تقرر صرف مسلک حنفی ہی کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے؛ بل کہ دوسرے مسلکوں میں بھی اس کی صحت مسلم ہے؛ لہٰذا ایسی جگہ جہاں اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں نہیں ہے وہاں مسلمانوں کے ارباب حل وعقد اپنی رضامندی سے اگر کسی کو قاضی مقرر کریں گے تو وہ قاضی شرعی ہوگا۔ اسے وہی اختیارات حاصل ہوں گے جو اختیارات مسلم حاکم کی طرف سے مقرر کیے ہوئے قاضی کے ہوتے ہیں''۔ (صفحہ ۱۱ و ۱۲)

پھر فقہ مالکی وشافعی کی چند عبارتوں کا حوالہ دینے کے بعد کہتے ہیں کہ:

’’ان عبارتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عامۃ المسلمین (ارباب حل وعقد) کی طرف سے تقرر قاضی فقہ مالکی کے مطابق صرف جائز ہی نہیں؛ بل کہ اگر فضا ساز گار ہو تو لازم ہے۔ (صفحہ ۱۴)

اس کتابچہ کا حاصل یہ ہے کہ موجودہ ہندوستان میں عامۃ المسلمین کے ذمے قاضی مقرر کرنا ضروری ہے اور قاضی کے ہوتے ہوئے شرعی پنچایت کالعدم اور اس کے فیصلے باطل ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ جب فقہ حنفی میں بحالت موجودہ تقرر قاضی کی گنجائش موجود ہے جیسا کہ ویصیر القاضي قاضیاً بتراضي المسلمین کی عبارت سے بعض لوگ سمجھ رہے ہیں، تو کیا ضرورت تھی کہ فقہ مالکی کی طرف رجوع کیا گیا اور بلا ضرورت تلفیق کا ارتکاب کیا گیا؛ اگر کتابچہ میں کیا گیا یہ دعویٰ درست ہے تو حضرت تھانوی قدس سرہ اور دوسرے حضرات علماء کی مساعی بے نتیجہ اور کالعدم ٹھہرتی ہیں؛ چناں چہ خود مرتب کتابچہ نے بھی اپنی حیرت کا اظہار کیا ہے کہ:

’’جماعت مسلمین کے قیام کے لیے حضرت تھانویؒ نے مسلک مالکی کی طرف کیوں رجوع کیا اس کی مصلحت انھیں کو معلوم ہوگی، ہم تو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ پورے ملک میں دار القضاء کے قیام کے لیے فضا ہموار اور حالات ساز گار ہیں‘‘۔

(معاشرتی مسائل کا حل دار القضاء: صفحہ ۲۸)

دریافت طلب امور یہ ہیں کہ:

(۱) ہندوستان جیسے ملک میں کیا فقہ حنفی میں عامۃ المسلمین کی طرف سے تقررِ قاضی کا یہ دعویٰ درست ہے؟

(۲) اگر فقہ حنفی میں مسئلہ کا حل موجود ہے تو خروج عن المذہب کی کیا ضرورت ہوگی اور کس طرح جائز ہوگا؟

(۳) کیا عامۃ المسلمین یا ارباب حل وعقد کے مقرر کردہ قاضی کا فیصلہ نافذ اور صحیح ہوگا بالخصوص مسائل خمسہ، زوجہ مفقود الخبر، زوجہ عنین ومجبوب، خیار بلوغ، زوجہ مجنون وزوجہ متعنت میں۔

(۴) حضرت تھانویؒ اور دوسرے اکابر علمائے دیوبند وسہارن پور نے مسلک مالکی کی جانب رجوع کر کے شرعی پنچایت کے طریقۂ عمل کو ضرورت کی حد تک جو قبول کیا ہے تو اس کی مصلحت صرف حضرت تھانوی قدس سرہ کو معلوم تھی یا ان کے سامنے واقعی مجبوریاں اور شرعی تقاضے تھے، اگر تھے تو ان کی نشاندہی فرمادیں۔

(۵) موجودہ ہندوستان کے لیے تقرر قاضی یا جماعت مسلمین ہر دو میں سے کون سا طریقۂ عمل حنفی نقطۂ نظر سے صحیح ہے؟

یہ مسئلہ اس لیے بہت اہم ہو جاتا ہے کہ ایک طرف حضرت تھانویؒ جیسی متبحر اور مسلم شخصیت اور ان کے ساتھ علمائے راسخین کی پوری جماعت اور ان کے دلائل و تشریحات ہیں۔ اور دوسری طرف ایسے حضرات ہیں جو نہ ان خصوصیات کے حامل ہیں اور نہ ان کے دلائل قابل اطمینان معلوم ہوتے ہیں؛ اس لیے مسئلہ پر محققانہ نظر ڈالی جائے، اس ضرورت کے لیے یہ سوال نامہ حاضر خدمت ہے۔ والسلام

بندہ عبد الحلیم عفی عنہ
بانی ومہتمم مدرسہ ریاض العلوم
گورینی، جون پور (یوپی)

شرعی پنچایت یا قاضی؟

از: حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ
(استاذ مدرسہ ریاض العلوم گورینی، جون پور)

سوال اول: ہندوستان جیسے ملک میں کیا فقہ حنفی میں عامۃ المسلمین کی طرف سے تقرر قاضی کا یہ دعویٰ درست ہے؟

جواب اول: ہندوستان جیسے کسی دارالکفر میں جو حضرات عامۃ المسلمین یا ارباب حل وعقد کی متفقہ رائے سے تقرر قاضی کو جائز سمجھتے ہیں ان کے استدلال کی بنیاد صاحب ردالمحتار علامہ شامیؒ اور صاحب فتح القدیر علامہ ابن ہمامؒ کی دو عبارتیں ہیں:

بناء استدلال:

علامہ شامی فتاویٰ تاتارخانیہ کی عبارت نقل کرتے ہیں کہ:

واما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمع والاعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً منهم۔ (شامی: صفحہ ۳۰۸ ج ۴)

ترجمہ: رہے وہ ممالک جن پر کافر حکام مسلط ہیں تو ان میں مسلمانوں کے لیے جمعہ اور عیدین کی اقامت درست ہے اور قاضی مسلمانوں کی رضا مندی سے قاضی بن جائے گا تو مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اپنے میں سے کس مسلمان حاکم کی جستجو کریں۔

یہ تو تا تارخانیہ کی عبارت ہے، اسی صفحہ میں علامہ شامی فتح القدیر کی عبارت نقل کرتے ہیں جو اسی مفہوم کی ہے:

إذا لم يكن سلطان ولامن يجوز التقلد منه كما في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه والياً فيولي قاضياً أو يكون هو الذي يقضي بينهم وكذاينصبوا إماماًيصلي بهم الجمعة۔

ترجمہ: جب کسی جگہ نہ سلطان ہو نہ ایسا کوئی شخص ہو جس سے منصب قضا کی تحصیل درست ہو جیسا کہ بعض اسلامی ممالک کا حال ہے جن پر کفار کا غلبہ ہو چکا ہے مثلاً قرطبہ، تو ایسی جگہوں پر مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ اپنے میں سے کسی کو والی مقرر کر لیں اور پھر وہ کسی کو قاضی بنائے، یا خود ہی لوگوں کے مابین فیصلے کیا کرے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ کسی شخص کو امامت جمعہ وغیرہ کے لیے متعین کر لیں۔

تا تارخانیہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے دارالکفر میں قاضی قاضی بن جاتا ہے اور فتح القدیر کی عبارت سے یہ مفہوم ہوا کہ دارالکفر میں مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاملات ومسائل کے تصفیہ کے لیے اولاً کسی والی وامام کا انتخاب کریں اور پھر والی وامام یا تو قاضی کا انتخاب کرے یا خود ہی فریضۂ قضا کو انجام دے۔

فتح القدیر کی عبارت سے بطور مفہوم مخالف کے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حکومت کافرہ اگر قاضی مقرر کرے تو ایسا کرنا مسلمانوں کے حق میں صحیح اور مفید نہیں ہے۔ اس کا قاضی اہل اسلام کے لیے قابل قبول نہیں؛ بل کہ یہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے کسی آدمی کو والی وحاکم مقرر کریں اور پھر وہ قاضی کا انتخاب کرے۔

انہیں دونوں عبارتوں سے رسالہ (معاشرتی مسائل کا حل دارالقضاء) میں مدعا ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے؛ لیکن اگر بنظر غور دیکھیے تو ان عبارتوں سے دعوی کا اثبات مشکل ہے استدلال کی کمزوری سمجھنے سے پہلے یہ واضح کر دینا مناسب ہے کہ یہاں دو دعوے ہیں ایک یہ کہ مسلمانوں کی رائے عامہ سے قاضی کا تقرر صحیح ہے، دوسرے یہ کہ حکومت کافرہ کا مقرر کیا ہوا قاضی مسلمانوں کے حق میں قاضی نہیں ہوسکتا، اب استدلال کی کمزوری ملاحظہ ہو۔

پہلے استدلال کی کمزوری:

پہلا دعویٰ یہ ہے کہ عامۃ المسلمین متفقہ طور پر کسی کو قاضی بنا سکتے ہیں، اور دلیل کی عبارت یہ ہے کہ **ویصیر القاضي قاضیا بتراضي المسلمین** عربی داں حضرات جانتے ہیں کہ ضرورت میں کسی چیز کا ایک حالت سے دوسری حالت میں بدل جانا جیسے دودھ دہی بن گیا۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص قاضی ہے وہ مسلمانوں کے حق میں قاضی اس وقت بن سکتا ہے جب مسلمانوں کی باہمی رضامندی اسے حاصل ہو جائے، اب غور کرنے کی بات ہے کہ ایسی کون سی صورت ہوگی کہ پہلے سے کوئی شخص قاضی مقرر ہو؛ مگر مسلمانوں کی رضامندی کے بغیر اس کی قضاء معتبر نہ ہو تو فقہاء کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کا تعلق ایسی جگہ سے ہے جہاں مسلمانوں کی آبادی تو ہو؛ مگر اقتدار کفار کا ہو، اور انھوں نے انتظامی مصلحتوں کے پیش نظر خاص مسلم مسائل کے تصفیہ کے لیے مسلمانوں ہی میں سے کسی کو قاضی بنا دیا ہو تو ایسا شخص حکومت کا قاضی تو ہے؛ مگر مسلمانوں کے حق میں اس کے فیصلوں کا نفاذ، مسلمانوں کی رضامندی کے بعد ہوگا؛ چناں چہ خود تاتار

خانیہ کی عبارت سے اس مطلب کی تائید ہوتی ہے ورنہ اس عبارت کے بعد فیجب علیھم ان یلتمسوا والیاً مسلماً منھم کا مطلب کچھ نہیں ہوگا؟ کھلی بات ہے کہ وہ قاضی خود مسلمانوں کا بنایا ہوا نہیں؛ بل کہ مانا ہوا ہے اس لیے ان پر اس فریضہ کے عائد کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے لوگوں میں سے ایک مسلم حاکم بھی تلاش کریں۔ اور وہ کسی کو قاضی مقرر کرے؛ کیوں کہ حکومت کافرہ کا مقرر کردہ قاضی مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے قاضی بن تو جائے گا اور اس کے شرعی فیصلے نافذ بھی ہوں گے؛ مگر مسلمانوں کو اسی پر اکتفا کرنا درست نہیں ہے؛ بل کہ انھیں کسی والی و حاکم کی جستجو کے لیے جدوجہد کرنی ضروری ہے اور اپنا قاضی وہی ہوگا جو والی کا مقرر کردہ ہو۔

فقہاء کو اس تصریح کی ضرورت اس لیے ہوئی کہ گزشتہ ادوار میں جب حکومتوں میں انقلاب آیا اور کافروں کا تسلط دارالاسلام پر ہو گیا تو چوں کہ غالب تعداد اہلِ اسلام کی تھی اور وہ بجز شرعی فیصلوں کے اور کوئی صورت قبول نہیں کر سکتے تھے اس لیے مجبوراً حکومتیں مسلمان قاضیوں کا انتخاب کرتی تھیں؛ چناں چہ ہندوستان میں بھی جب انگریزوں کا تسلط ہوا تو انہوں نے بھی مسلمان قضاۃ کا تقرر کچھ دنوں تک برقرار اور جاری رکھا تھا۔ ایسے ہی قاضیوں کے بارے میں یہ سوال اٹھا کہ ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ تو فقہاء نے جواب دیا کہ یہ قضاۃ اس وقت شرعی قاضی ہوں گے جب مسلمانوں نے ان پر اپنی رضامندی دے دی ہو، ورنہ حکومت کافرہ کے مقرر کردہ قاضی کا کیا اعتبار؟ اس کے ثبوت کے لیے مزید تصریحات ملاحظہ ہوں:

مولانا عبدالحئ صاحب فرنگی محلی اپنے فتاوی میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

درفتاویٰ بزازیہ می آرد: قال السید الإمام و البلاد التي في أیدي الکفرة

اليوم لاشک انها بلاد الإسلام بعد ايصالها ببلاد الحرب ان لم يظهروا فيها أحكام الكفرة بل القضاة مسلمون واما البلاد التي عليها وال مسلم من جهتهم فيجوز اقامة الجمع والاعياد إلى قوله والقاضي قاض بتراضي المسلمين۔

(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ برہامش خلاصۃ الفتاویٰ: ص۱۶۱ ج اول)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ کسی ملک پر کفار کے غلبہ کے بعد صورت حال دو طرح کی ہوسکتی ہے، ایک یہ کہ ملک کے کسی خاص علاقے میں کفار نے کسی مسلمان کو حکومت دے دی ہو اور وہ اپنے اصول وضوابط کے مطابق احکام جاری کرتا ہو جیسے برطانوی ہندوستان میں ریاست حیدرآباد، ریاست بھوپال اور ریاست رام پور کی حیثیت تھی، یہ ریاستیں تھیں تو حکومت برطانیہ کے ماتحت؛ مگر انتظامیہ میں نواب خودمختار ہوتے تھے، اپنی فوج رکھتے تھے، عہدے اور مناصب تقسیم کرتے تھے، قاضی مقرر کیا کرتے تھے، اور شرعاً یہ سب تصرفات درست تھے۔

دوسری صورت حال یہ ہے کہ والی وحاکم تو کافر ہی ہو؛ لیکن ان کی جانب سے مسلمان قاضیوں کا تقرر ہوتا ہے۔ انہیں کے بارے میں ویصیر القاضي قاضياً بتراضي المسلمين یعنی مسلمانوں کی رضامندی سے ان کا مقرر کیا ہوا قاضی، قاضی بن سکتا ہے۔

دوسری جگہ مولانا عبدالحیؒ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ درردالمحتار می نویسند فی معراج الدرایۃ عن المبسوط.............

۱۔ وكل مصر له وال فيه من جهتهم (الكفار) يجوز له اقامة الجمع والجماعات والحدو تقليد القضاة۔

۲۔ فلو كان الولاة كفارا يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين انتهى ملخصا۔

(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی برہامش خلاصۃ الفتاویٰ: ص ۱۶۳ ج ۱)

اس عبارت کا حاصل بھی بعینہ وہی ہے جواوپر کی عبارت میں مذکور ہوا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی رائے عامہ سے تقرر قاضی کے مسئلہ کو فقہاء کی عبارت سے کوئی تعلق نہیں ہے؛ بل کہ اگر ہے تو یہ ہے کہ اس عبارت سے ان حضرات کا دوسرا دعویٰ منہدم ہورہا ہے، دوسرا دعویٰ یہ تھا کہ حکومت کافرہ کا مقرر کردہ قاضی مسلمانوں کے حق میں معتبر نہیں ہوگا، اس دعویٰ کی تردید صراحۃً اس سے ہورہی ہے۔

دوسرے دعویٰ پر استدلال کی کمزوری

سابقہ صراحت کے بعد اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ دوسرے دعوے کی غلطی پر مزید کچھ گفتگو کی جائے، تاہم اس کی تفصیل ذکر کردینے میں کوئی مضائقہ نہیں معلوم ہوتا۔

دوسرے دعوے کی دلیل صاحب فتح القدیر کی وہ عبارت ہے جس کو پہلے نقل کیا جاچکا ہے اس میں صراحۃً حکومت کافرہ کے تقرر قاضی کو غلط نہیں کہا گیا ہے، عبارت کے مفہوم مخالف سے یہ مدعا ثابت ہوتا ہے، کیوں کہ اس میں یہ صراحت ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ والی مسلم تلاش کریں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حکومت کافرہ کا مقرر کردہ قاضی معتبر نہ ہوگا۔ ورنہ والی مسلم کے تلاش کے کیا معنی؟ لیکن کیا مفہوم مخالف سے یہ استدلال صحیح ہے؟ مانا کہ فقہاء کی عبارت کا مفہوم مخالف دلیل بنتا ہے؛ لیکن یہ قاعدہ ایسا کلیہ نہیں ہے جس کے خلاف نہ ہوسکے بالخصوص جبکہ اس مفہوم مخالف کے خلاف کی صراحت موجود

ہو، اب ملاحظہ ہو تاتارخانیہ کا فتویٰ:

الإسلام ليس بشرط فيه أي السلطان الذي يقلد۔

جو بادشاہ قاضی مقرر کرے اس کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔

تاتارخانیہ کی اس صراحت اور فتح القدیر کی عبارت کے مفہوم مخالف میں تعارض ہے۔ اس سلسلے میں علامہ شامی نے نہر الفائق کی یہ عبارت نقل کی ہے: **وهذا هو الذي تطمئن النفس اليه فليعتمد،** جو کچھ علامہ ابن ہمامؒ کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے، یعنی حکومت کافرہ کے تقرر قاضی کی عدم صحت، اسی پر طبیعت کو انشراح ہے؛ لہٰذا اسی پر اعتماد کرنا چاہیے۔ اس پر علامہ شامی تبصرہ فرماتے ہیں:

والإشارة بقوله وهذا إلى ما أفاده كلام الفتح من عدم صحة تقلد القضاء من كافر على خلاف مامر من التتارخانية ولكن إذا ولى الكافر عليهم قاضيا ورضيه المسلمون صحت توليته بلا شبهة۔ (صفحہ ۳۰۸ ج ۴)

ترجمہ: اور ہٰذا کا اشارہ فتح القدیر کی عبارت کے اس مفہوم کی جانب ہے کہ کافر کی جانب سے تقلد قضا درست نہیں ہے بخلاف اس کے جو تاتارخانیہ کے حوالے سے گزرا؛ لیکن جب مسلمانوں پر حکومت کافرہ قاضی مقرر کرے اور مسلمان اس پر راضی ہوں تو اس کا قاضی بننا بلاشبہ صحیح ہے۔

علامہ شامی کی اس عبارت سے **"ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين"** کا مطلب واضح ہو گیا اب اس پر مزید گفتگو کی گنجائش نہیں ہے، حاصل ان سب عبارتوں کا ایک ہے وہ یہ کہ حکومت کافرہ کا مقرر کردہ قاضی بشرط رضامندی اہلِ اسلام معتبر اور صحیح ہے، ان عبارتوں سے عامۃ المسلمین کی جانب سے قاضی کے تقرر پر کوئی روشنی نہیں پڑی؛

البتہ اگر ہمیں اجازت ملے تو ہم یہ ضرور عرض کریں گے کہ ان عبارتوں کے مفہوم مخالف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی رائے عامہ سے کسی کا قاضی بننا مطلقاً درست نہیں ہے؛ کیوں کہ اگر اس کی ذرا بھی گنجائش ہوتی تو فقہائے کرام اس کا ذکر ضرور کرتے اور اس طول عمل کی کوئی ضرورت نہ ہوتی کہ اولاً حکومت کافرہ کسی کو قاضی مقرر کرے، پھر اہلِ اسلام اس پر اظہارِ رضامندی کریں، پھر وہ قاضی بنے۔ آخر جب ایک مختصر راہ موجود تھی کہ مسلمانوں کی رائے عامہ یا ارباب حل وعقد کا انتخاب قاضی بنانے کے لیے کافی ہے تو اس طول طویل راہ اختیار کرنے کی حاجت کیا تھی۔ معلوم ہوا کہ فقہاء کا ذہن رائے عامہ سے قاضی بنانے کی صورت سے یکسر خالی ہے، اس لیے اس طریقۂ انتخاب کو اختیار کرنا ایک بدعت ہے، جو بے دلیل؛ بل کہ خلافِ دلیل ہے، اب خلاف دلیل ہونا ملاحظہ فرمائیے۔

رائے عامہ سے تقرر قاضی معتبر نہیں

''عالمگیری'' میں ''محیط'' کے حوالے سے یہ عبارت موجود ہے:

إذا اجتمع أهل بلدة على رجل وجعلوه قاضياً يقضى فيما بينهم لا يصير قاضياً۔ (عالمگیری: صفحہ ۳۱۵ ج ۷)

ترجمہ: ''کسی شہر کے لوگ اگر کسی شخص پر متفق ہو کر اسے قاضی بنا دیں تا کہ وہ فصل خصومات کرلے تو وہ قاضی نہ ہوگا''۔ بزازیہ میں ہے:

إذا اجتمع أهل بلدة وقدموا رجلا على القضاء لا يصح لعدم الضرورة وان مات سلطانهم واجتمعوا على سلطنة رجل جاز للضرورة۔

(بزازیہ برہامش عالمگیری: صفحہ ۱۳۰ ج ۵)

ترجمہ: شہر کے باشندے اگر اتفاق رائے سے کسی کو منصب قضا پیش کریں تو وہ

قاضی نہیں بن سکتا کیوں کہ اس کی ضرورت نہیں۔ ہاں! اگر ان کا بادشاہ مر گیا ہو اور سب مل کر کسی کو بادشاہ منتخب کرلیں تو ضرورت کی بنا پر یہ صحیح ہے۔

اس عبارت سے جہاں اس بات کی صراحت ہو رہی ہے کہ رائے عامہ سے قاضی کا تقرر صحیح نہیں، وہیں یہ بھی وضاحت ہوگئی کہ مسلمان کو ضرورت تقرر قاضی کی نہیں ہے؛ بل کہ تقرر والی کی ہے، اور فتح القدیر میں یہی صورت تجویز کی گئی ہے کہ مسلمان مل کر کسی کو والی اور سلطان بنائیں اور وہ قاضی کا انتخاب کرے۔

علامہ شامی کے ایک تبصرہ کی وضاحت

علامہ شامی تنویر الابصار کی عبارت: **ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر** کے تحت لکھتے ہیں:

وهذا ظاهر في اختصاص تولية القضاء بالسلطان ونحوه كالخليفة حتى لواجتمع أهل بلدة على تولية واحد القضاء لم يصح بخلاف مالو ولوا سلطانا بعدموت سلطانهم كمافي البزازية۔ (نهر)

ترجمہ: یہ عبارت اس مسئلہ میں ظاہر ہے کہ تولیت قضائے سلطان اور خلیفہ کا حق خاص ہے حتی کہ اگر کسی شہر والے متفق ہو کر کسی کو قاضی مقرر کرنا چاہیں تو یہ صحیح نہیں ہے، اس کے برخلاف اگر بادشاہ کی موت کے بعد سب مل کر کسی کو بادشاہ بنائیں تو صحیح ہے۔

اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ تقرر قاضی صرف والی وسلطان کا حق ہے؛ لیکن علامہ شامیؒ نے اس پر جو تردد تحریر کیا ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے موقع پر وہ عامۃ المسلمین کی جانب سے تقرر قاضی کو صحیح سمجھتے ہیں؛ چناں چہ لکھتے ہیں کہ:

قلت وھذا حیث لا ضرورة والا فلھم تولیة القاضي أیضاً کما یأتي بعدہ۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ یہ حکم وہاں ہے جہاں ضرورت نہ ہو ورنہ ان کو یہ حق ہے کہ ضرورت کے موقع پر قاضی مقرر کریں جیسا کہ بعد میں آرہا ہے۔

گویا یہ عبارت مجمل ہے، تفصیل اس کے آگے کہیں آرہی ہے، ظاہر ہے کہ مجمل عبارت سے بغیر اس کی تفصیل کا لحاظ کیے ہوئے استدلال درست نہیں ہے؛ لیکن اس کی تفصیل کیا ہے؟ علامہ شامی نے اس اجمال کا حوالہ دے کر تفصیل نہیں کی ہے؛ بل کہ تفصیل کے لیے صاحب فتح القدیر کی وہی عبارت نقل کردی ہے جس کا حوالہ اوپر گزر چکا ہے کہ مسلمان اولاً اپنا والی کسی کو بنائیں، وہ والی قاضی مقرر کرنے کا مجاز ہوگا، اور ''بزازیہ'' کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ضرورت والی و حاکم بنانے کی ہے، قاضی بنانے کی نہیں؛ لہٰذا علامہ شامی کے اجمال، علامہ ابن ہمام کی تفصیل اور صاحب بزازیہ کے اشارہ سے بات متعین ہے کہ مسلمان بطور خود قاضی مقرر کر نہیں سکتے؛ بل کہ یہ والی و حاکم کا خصوصی منصب ہے، وہی مقرر کریں گے۔

فقہ حنفی کی تصریحات تو گزر چکیں، دوسرے مذاہب فقہ کی کتابیں ہمیں بقدر کفایت میسر نہیں تاہم فقہاء جس انداز سے یہ مسئلہ ذکر کرتے ہیں اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے.........۔

ہندوستان میں شرعی پنچایت کی اسلامی حیثیت

از حضرت مولانا افضال الحق جوہر قاسمیؒ
(شیخ الحدیث ریاض العلوم گورینی جون پور)

اسلامی معاشرے میں جو معاملات فریقین میں الجھ جاتے ہیں وہ کبھی فتوی سے طے ہو جاتے ہیں، کبھی ثالثی کے ذریعہ نمٹ جاتے ہیں؛ لیکن کچھ ایسے جھگڑے بھی ہیں جو عدالتی تحقیقات اور عدالتی فیصلے کے بغیر طے ہی نہیں ہو سکتے جیسے زوجہ مفقود الخبر، زوجہ غائب، زوجہ مجنون اور زوجہ متعنّت وغیرہ۔

مشکلات:

سوال یہ ہے کہ جن غیر اسلامی ملکوں میں اسلامی قاضی میسر نہیں جیسے ہندوستان، برما، انگلستان، وہاں کے معاملات میں کس طرح شرعی فیصلہ حاصل کیا جائے اور جن اسلامی ملکوں میں اسلام کے اصولوں سے حکام حکم نہیں دیتے وہاں اسلامی حکم کس طرح حاصل کیا جائے جیسے ٹرکی، افغانستان؛ بل کہ اصل سوال یہ ہے کہ ہم احناف ایسے ملکوں میں شرعی فیصلے کے لیے کیا کریں جب کہ شرعی فیصلے کے بغیر بہت سے نزاعی معاملات شرعاً طے نہیں ہو سکتے نہ پہلا نکاح فسخ ہو سکتا ہے نہ دوسرا صحیح، اس لیے عورتیں عمر بھر معاشرے کے لیے مصیبت بنی رہیں گی اور وہ برباد ہوتا چلا جاوے گا۔

طریقۂ کار(۱):

ایسے سوالوں کے مختلف جوابات ہیں اول یہ کہ اگر غیر اسلامی ملک ہے اور وہاں کا حاکم غیر مسلم ہے تو فیصلہ خواہ ملکی قانون سے کرے یا اسلامی قانون کے مطابق نکاح، طلاق اور فسخ میں اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا، اس میں علمائے احناف متفق ہیں۔

طریقہ کار(۲):

جواب(۲): وہاں اگر حاکم مسلمان ہے اور فیصلہ ملکی قانون سے کرتا ہے اسلامی قانون سے نہیں کرتا تو اس کا فیصلہ بھی شرعاً نافذ نہیں ہوگا۔ (دیکھئے حیلۂ ناجزہ)

طریقہ کار(۳):

جواب(۳) وہاں اگر حاکم مسلمان ہے اور مسلم پرسنل لاء کے اصولوں سے فیصلہ کرتا ہے تو اس کا حکم نافذ ہے؛ اگرچہ بعض حضرات غیر اسلامی ملک کے مسلم حاکم کے اسلامی فیصلے کو بھی قبول کرنے میں متردد ہیں۔

طریقۂ کار(۴):

جواب(۴): وہاں کی جن ریاستوں میں مسلمان حاکم فیصلے کے لیے مقرر ہیں اور اسلامی قانون سے فیصلے کرتے ہیں جیسے حیدرآباد، بھوپال اور ولی اسٹیٹ وہاں کے فیصلے نافذ ہیں۔

بنیادی جدوجہد:

باقی ملک میں جہاں نہ اسلامی قانون ہے نہ مسلمان حاکم کا پایا جانا ضروری ہے ایسے مقامات پر شرعی فیصلہ کس طرح حاصل کریں؟ اور اس کے بغیر معاشرے کو کیسے سنبھالا

جائے یہ ایک مشکل صورت اور اہم سوال ہے اور یہ ۱۹۳۰ء کے قریب اس وقت پیدا ہوا تھا جب پنجاب میں مسلمانوں کی معاشرتی بے اعتدالی سے مسلم عورتیں مرتد ہو گئیں اور انہوں نے جہاں جی چاہا شادیاں کرلیں؛ کیوں کہ وہ سمجھتی تھیں کہ ارتداد سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ یہ صورت حال وہاں جب ایک فتنہ بن گئی تو اس نازک مگر مشکل فتنہ کو اسلامی حدود میں رکھ کر دبانے کے لیے جو حضرات میدان میں آئے وہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ تھے، ان دونوں حضرات نے یہاں اس وقت کے فقہاء کے مشورے سے کئی اہم کام کیے۔

پانچ مشکلات:

پہلا کام یہ کیا کہ اسلامی معاشرت کو جو مسائل تہہ و بالا کر دیتے ہیں ان کا سراغ لگایا؛ تاکہ ارتداد کا سرچشمہ ہی بند ہو جائے، تو انہیں معلوم ہوا کہ زوجہ متعنت، زوجہ مجنون، زوجہ غائب، زوجہ مفقود الخبر، زوجہ عنین؛ اسی طرح حالت نشوز میں شوہر کی بیچارگی قابل رحم ہے۔

راہ کی تلاش:

دوسرا سوال یہ اٹھایا گیا کہ برطانوی حکومت نے چوں کہ قاضی کا تقرر ختم کر دیا تھا اور دوسرے قاضی رکھے نہیں گئے تھے ایسے میں اسلام کے اصول کے مطابق عدالت کا شرعی فیصلہ قاضی کے بغیر کس طرح حاصل کیا جائے؟ جب کہ اس کے بغیر ایسے مسائل میں فسخ ممکن ہے نہ طلاق، نہ عدالت سے گزارہ اور مستقبل قریب میں حکومت کی طرف سے قاضی مقرر کرنے کا امکان نہیں۔

تلفیق کی مجبوری:

تیسرا اہم موڑ یہ پیدا کیا گیا کہ ہندوستان جیسے غیر اسلامی ملک میں جہاں قاضی میسر نہیں اور مسائل نے ارتداد کا راستہ کھول دیا ہے کیوں کہ عورتیں صبر بھی نہیں کر سکتیں اور فقہ حنفی میں عام یا خاص مسلمانوں کو قاضی مقرر کرنے کا اختیار بھی نہیں ہے۔ ہاں امیر بنانے کا حق حاصل ہے؛ مگر انتشار اور پراگندگی کی وجہ سے اس کی بھی کوئی صورت نظر نہیں آتی اور مسائل دن بدن پیچیدہ ہوتے جا رہے ہیں تو ان محترم حضرات نے اجتہاد کر کے فتویٰ دیا کہ تلفیق کی جائے، یعنی احناف مجبوراً کسی اور امام کا فتویٰ اس حد تک قبول کر لیں جس حد تک مشکل وقتی مسائل طے ہو سکیں؛ چناں چہ مالکی فقہاء سے استفتاء کیے گئے، اور ان کے جوابات کی روشنی میں ۱۳۵۱ھ سے ۱۳۵۵ھ تک کی مسلسل جد و جہد کے بعد یہ طے کیا گیا کہ امام مالکؒ کے مسلک کے مطابق مسلم رائے عامہ کے ذریعہ شرعی پنچایت مقرر کی جائے۔

شرعی پنچایت:

چوتھا کارنامہ یہ انجام دیا گیا کہ شرعی پنچایت کا طریق کار، اس کے اصول اس کے طریقہ انتخاب اور اس کی شرعی حیثیت پر سیر حاصل بحث کر کے مالکی مذہب کو ضرورت کی حد تک اجاگر کر دیا گیا اور فقہ حنفی جن جن مسائل میں جس حد تک ان کے ساتھ تھی اسے واضح کر کے دونوں مسلکوں کے مطابق عدالتی فیصلے کی راہ طے کر دی گئی۔

متفقہ فیصلہ:

پانچواں کارنامہ یہ انجام دیا گیا کہ اس وقت کے علماء وفقہاء سے استصواب کر کے ان کی رائیں ان کے الفاظ میں لکھدی گئیں۔ اس طرح ان کا اجتہاد و حنفی نصوص و

استدلال اور فقہائے مالکیہؒ نیز امام مالکؒ کے تمام فتاویٰ وتشریحات من وعن شائع کر دیے گئے، ایسی مبارک کوشش کا نام حیلۂ ناجزہ ہے۔ جو حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور ان کے رفقائے کار کا عظیم فقہی کارنامہ ہے۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء!

جائز تلفیق:

سوال: ائمہ احناف کے نزدیک کیا تلفیق کی اجازت ہے؟

جواب: جی ہاں! علامہ شامی، صاحب درمختار وغیرہ نے پوری بحث کر کے شرعی ضرورت کے وقت دوسرے امام کے کسی فتوی پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے اس لیے تلفیق خود فقہ حنفی کا مسئلہ ہے؛ البتہ اگر تلفیق کے ذریعہ اسلام کو کھلونا بنا لیا جائے؛ حتی کہ اجماع امت کی بھی پروا نہ کی جائے تو خرقِ اجماع کی حد تک ناجائز ہے؛ مگر یہاں خرق اجماع نہیں ہوتا، اس لیے برصغیر کے تمام علماء فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے۔

اجتماعی فیصلہ:

سوال: شرعی پنچایت فیصلہ کس طرح کرے گی جو معتبر ہو؟

جواب: جیسے ثالث فیصلہ کرتے ہیں کہ اگر تین افراد حکم مانے گئے تو تینوں کا اجتماعی فیصلہ صحیح ہوتا ہے اسی طرح شرعی پنچایت کے تمام افراد کا متفقہ فیصلہ نافذ ہوگا اور وہی فیصلہ حاکم کے حکم کے قائم مقام ہوگا۔

غیر معتبر:

سوال: اگر پانچ میں سے تین نے فیصلہ کیا باقی خاموش رہے تب؟

جواب: جب تک تمام ارکان کا متفقہ فیصلہ نہ ہوگا وہ باطل ہوگا، اکثریت یا اقلیت دونوں غیر معتبر جیسے ہمارے یہاں ثالث کا فیصلہ۔

ایک نفری پنچایت:

سوال: کیا شرعی پنچایت ایک نفری ہوسکتی ہے؟

جواب: جی نہیں! امام مالکؒ کے نزدیک تین افراد سے کم کی جماعت مسلمین نہیں بن سکتی، زائد ہوسکتے ہیں اس لیے یک نفری اور دونفری پنچایت باطل ہے۔

قول مرجوح:

سوال: بعض فقہائے مالکیہ یک نفری پنچایت تسلیم کرتے ہیں؟

جواب: یہ عبدالباقی صاحب وغیرہ کا غیر مفتیٰ بہ اور مرجوح قول ہے امام مالکؒ کا مسلک نہیں ہے اور ہم تلفیق کے موقع پر امام مالکؒ کے مسلک راجح کو چھوڑ کر مرجوح قول کو نہیں قبول کر سکتے۔

انفرادی فیصلہ:

سوال: اگر شرعی پنچایت فیصلہ کا مجاز کسی فرد کو کردے تو جائز ہے؟

جواب: جی نہیں! پنچایت خود ہی فیصلہ کرسکتی ہے اور اجتماعی فیصلے ہی کا اعتبار ہوگا؛ کیوں کہ **ید اللہ علی الجماعۃ** فرمایا گیا ہے۔

سوال: اگر فریقین ہی کسی کو ثالث مان لیں یا پنچایت کو ثالث مان لیں تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر فریقین موجود ہوں تو کسی کو بھی ثالث مان سکتے ہیں پھر پنچایت کی ضرورت ہی نہیں رہے گی اور اگر رہے گی تو اس کا فیصلہ اجتماعی ہوگا۔

دائرہ کار:

سوال: کیا ایک شرعی پنچایت بہت سے مقدمات فیصل کرسکتی ہے؟

جواب: جی ہاں! اس میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں ہے۔

اہلیت:

سوال: کیا پنچایت کے ہر فرد کا دیندار ہونا لازم ہے؟

جواب: جی ہاں! امام مالکؒ کے یہاں لازم ہے، احناف بھی ضروری کہتے ہیں۔ اگر معتبر آدمی وہاں نہ ہوں تو دور نزدیک سے شامل کرلیں۔

تحقیق وفیصلہ:

سوال: پنچایت کا صرف فیصلہ اجتماعی ہوگا یا تحقیقات بھی؟

جواب: جس مقدمہ میں پنچایت ہے وہ پوری کی پوری پنچایت تحقیقات بھی کرے گی فیصلہ بھی کرے گی۔

نظر ثانی:

سوال: کیا عورت یا شوہر کو نظر ثانی کا حق ہوگا؟

جواب: اگر کوئی شرعی نقص رہ گیا ہے تو حق حاصل ہے یا اگر کوئی نئی صورت حال پیدا ہوگئی ہے تو بھی حاصل ہے۔

اصولوں کی رعایت:

سوال: کیا پنچایت اپنے فیصلہ میں خودمختار ہے یا کچھ اصولوں کی رعایت ضروری ہے؟

جواب: پنچایت میں کسی ایسے آدمی کا شامل رہنا لازم ہے جو اسلام کے اصول اور مسائل سے واقف ہو؛ ورنہ اگر اس کے لیے مشورہ بھی نہ کیا ہو تو اس کا فیصلہ کالعدم ہوگا۔

کس کے اصول:

سوال: فیصلہ کرتے وقت امام مالکؒ کے اصول لینے ضروری ہیں؟

جواب: جی نہیں! صرف شرعی پنچایت کا اصول ان سے لیا گیا ہے اسی طرح مفقود الخبر وغیرہ میں بعض مسائل بھی لیے گئے ہیں، باقی مسائل میں فقہ حنفی کے مطابق فیصلہ کرنا لازم ہے اگر فریقین حنفی ہیں؛ ورنہ جس مسلک کا آدمی ہے اسی سے فیصلہ ہوگا۔

مصارف:

سوال: پنچایت کے مصارف کون پورے کرے گا؟

جواب: مدعی دے گا مالکیہ کے یہاں بھی احناف کے نزدیک بھی۔

قوت نفاذ:

سوال: سرکاری عدالتوں میں شرعی پنچایت کا فیصلہ کس طرح معتبر ہوگا؟

جواب: اس کی کئی صورتیں ہیں:

(الف) حیدرآباد میں دارالقضاء قائم ہے وہ غیر حاضر مرد یا پیچیدہ مسائل میں خود مدعی بن کر معاملہ سرکاری عدالت میں پیش کر دیتا ہے اور اپنے فیصلہ کی (عدالت سے) توثیق کرا دیتا ہے اس طرح سے نافذ کرنے میں دشواری نہیں ہوتی۔

(ب) اتر پردیش میں جہاں کشمکش کا اندیشہ ہوتا ہے تو مدعی سے دعویٰ کرا کے فیصلہ لیتے ہیں پھر اسی فیصلے کو شرعی پنچایت میں لا کر فیصلہ کر کے نافذ کر دیتے ہیں تو شرعی فیصلہ بھی ہو جاتا ہے عدالتی فیصلہ بھی۔

(ج) جمعیۃ علمائے ہند کی کوششوں سے حکومت ہند نے دہلی اسٹیٹ میں ایک مسلم عدالت قائم کر رکھی ہے جس کے فیصلوں کی اپیل صرف ہائی کورٹ میں ہو سکتی ہے، یہ

عدالت لاوارث عورتوں، بازیافتہ لڑکیوں اور خاندانوں کے ان مسائل کو نمٹانے کے لیے قائم کرائی گئی تھی جو ۱۹۴۷ء کے طوفان میں پیدا ہو گئے تھے۔ یہ عدالت مسائل اور مشکلات مسلم پرسنل لاء کے مطابق فیصل کرتی ہے، اگر اس طرح کی عدالتیں دوسری ریاستوں میں قائم کر دی جائیں اور انھیں کم از کم آنریری مجسٹریٹ کا درجہ بھی حاصل ہو تو قوت نافذہ کی وجہ سے ہزاروں مشکلات خود حل ہو جایا کریں گی؛ مگر اس کے لیے قانونی اور اخلاقی جد و جہد مسلسل کرنی ہوگی۔

قاضی کا تقرر:

سوال: بعض حضرات تراضی مسلمین سے قاضی مقرر کرنے کو شرعی اصول قرار دیتے ہیں، دوسرے حضرات اس سے کیوں مطمئن نہیں ہیں جب کہ علامہ شامی جیسے حنفی فقیہ نے یہ صورت تجویز کی ہے۔

جواب: علامہ شامیؒ نے خود فتویٰ نہیں دیا ہے؛ بل کہ تاتارخانیہ کے حوالہ سے ایک تجویز تحریر فرمائی ہے اور اس پر بحث کی ہے وہ ملاحظہ ہو:

قال في التاتارخانية: واما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمع والاعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا واليا منهم۔ (شامی: جلد چہارم ۳۰۸)

ترجمہ: صاحب تاتارخانیہؒ نے ان ممالک میں جہاں غیر اسلامی حکومت قائم ہے وہاں کے جمعہ اور عیدین کے قیام کو جائز تر کہا ہے اور فرمایا ہے کہ مسلمانوں کی باہمی رضا مندی سے وہاں کا قاضی بھی قاضی مان لیا جاوے گا (مگر) ایسے میں وہاں کے مسلمانوں پر یہ بھی واجب ہے کہ کسی شخص کو والی بنانے کی فکر و جد و جہد کریں۔ (شامی)

اس عبارت سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی قاضی کو تراضی مسلمین سے قاضی بنانے کا مطلب کیا ہے؟ نیز قاضی کو تسلیم کیے جانے کے بعد پھر کسی کو والی منتخب کرنا واجب کیوں ہے؟ اگر تراضی مسلمین سے ہی کوئی شخص قاضی بن سکتا ہے تو پھر کسی کو والی بنانے کو واجب کہنے کی ضرورت کیا ہے؟ ان سوالوں کو حل کیے بغیر استدلال نامکمل ہے تو ان اشکالات کو خود علامہ شامیؒ نے وہیں چند سطروں کے بعد حل کر دیا ہے۔ سوال یہ تھا کہ اگر کوئی غیر اسلامی حکومت وہاں کے مسلمانوں کے لیے کسی مسلمان کو سرکاری قاضی مقرر کردے تو کیا وہ شرعی قاضی تسلیم کیا جاوے گا؟ تو بعض علماء کسی غیر مسلم حکومت کی طرف سے مقررہ قاضی کو شرعی قاضی نہیں تسلیم کرتے؛ مگر صاحب تاتارخانیہ نے ایک شرط سے اس قاضی کو قاضی مان لیا ہے، وہ کہتے ہیں **ولکن اذاولی الکافر علیهم قاضیا و یرضیه المسلمون صحت تو لیته بلا شبهة**۔ (شامی بحوالہ سابقہ) یعنی اگر کسی غیر مسلم حاکم نے مسلمانوں کے لیے کسی کو قاضی مقرر کر دیا اور مسلمان اس سے راضی ہو گئے تب اس سرکاری قاضی کا تقرر شرعاً بھی صحیح ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ تراضی مسلمین سے کسی قاضی کو قاضی تسلیم کرنے سے ان کی منشاء ویسی ہے جیسے دہلی اسٹیٹ میں غیر مسلم حاکم نے سرکاری قاضی مقرر کر دیا ہے اور جمعیۃ علمائے ہند اور وہاں کے تمام مسلمانوں نے اس سے رجوع ہو کر اسے تسلیم کر لیا تو شرعاً اس کا فیصلہ نافذ ہے اور بلاشبہ نافذ ہے؛ لیکن جہاں کوئی سرکاری قاضی نہیں ہے وہاں جس شخص کو بھی مسلمان عوام یا خواص چاہیں تو وہ قاضی ہوگا یا نہیں ہوگا، اس عبارت سے اس کا فتویٰ نہیں نکلتا؛ البتہ اگلی عبارت سے اس کا حکم معلوم ہوتا ہے کہ اب مسلمانوں پر اپنا والی یا امیر یا امام تلاش کرنا واجب ہے اور جب وہ والی یا امیر لازمی طور پر بنایا جائے گا تو اس کو حق ہوگا کہ کسی اپنے آدمی کو قاضی مقرر کرے؛ چناں چہ شامی نے بزازیہ کا فتویٰ نقل کیا ہے کہ:

”لو اجتمع أهل بلدة على تولية واحد للقضاء لم يصح“ ۔یعنی صاحب بزازیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر کسی علاقے کے مسلمان کسی شخص کو خود قاضی بنانے پر متفق ہوجائیں تو بھی وہ شخص قاضی نہیں ہوگا۔ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔علامہ شامیؒ نے بزازیہ کے اس فتوی کو خاص کر دیا ہے: ”قلنا حيث لا ضرورة وإلا فلهم تولية القاضي أيضا كما يأتي بعده“۔(شامی: صفحہ ۳۰۸ جلد چہارم) یعنی یہ فتویٰ اس وقت کے لیے ہے جب مسلمان کو شدید ضرورت نہ ہو؛ ورنہ اگر ضرورت کا تقاضا ہو تو مسلم عوام اس طرح قاضی مقرر کر سکتے ہیں جیسا کہ ابھی تجویز آرہی ہے (شامی)؛ مگر کیا ہے وہ تجویز تو علامہ شامیؒ نے اس کے لیے علامہ ابن ہمامؒ کا فتویٰ فتح القدیر سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

وإذا لم يكن سلطان .... يجب عليهم أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولى قاضيا .... الخ۔ (فتح القدیر: صفحہ ۴۶۱ ج ۵، شامی: صفحہ ۳۰۸ ج ۴)

یعنی علامہ ابن ہمامؒ شارح ہدایہ نے ہندوستان ایسے غیر اسلامی ملک میں فصل خصومات کی یہ شکل تجویز فرمائی ہے کہ سارے مسلمان پہلے کسی شخصیت پر متفق ہو کر اس کو اپنا والی و امیر منتخب کرلیں تب والی و امیر فصلِ خصومات کے لیے کسی شخص کو قاضی کا عہدہ سپرد کردے۔ (شامی)

اس تجویز کا نام لوگوں نے تراضی مسلمین رکھ دیا ہے کہ مسلم عوام والی کا انتخاب کریں گے اور چوں کہ وہ والی عوام کا نمایندہ ہوگا اس لیے جب کسی کو قاضی یا حاکم بناوے گا تو وہ عوامی قاضی یا حاکم مانا جاوے گا جو گویا کہ سب کی رضامندی سے آیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ہندوستان ایسے ملک میں اس طرح تراضی مسلمین سے کیا کسی کو والی بنایا گیا ہے؟ اگر نہیں اور قطعی نہیں بنایا گیا تو اس کے بغیر قاضی کا عہدہ کسی کو کس نے دیا

اور کوئی دوسرا قضاء کا عہدہ دینے کا مستحق کیسے بنا؟ اور جب فقہ حنفی میں حاکم و والی کے سوا دوسرا یہ عہدہ دے ہی نہیں سکتا تو شرعی قاضی کے وجود سے برطانوی ہندوستان بھی خالی تھا آج کا ہندوستان بھی خالی ہے، ایسے ہی اگر کسی کو مسلم عوام یا مسلم خواص قاضی منتخب کر لیں تو اس کا کیا حکم ہے، اس کے لیے فتاوی عالمگیری اٹھا کر دیکھ لیجیے، ابواب قضاء میں انھوں نے امام سرخسیؒ کی المحیط سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی شہر کے لوگوں نے متفق ہو کر کسی شخص کو قاضی مقرر کر لیا کہ وہ لوگوں کے فیصلے کرے تو اس طرح وہ شخص قاضی نہیں بن سکتا؛ لیکن اگر لوگوں نے جمع ہو کر ایک شخص کے ہاتھ پر خلافت یا سلطنت کا عقد کر لیا ہے تو وہ خلیفہ اور سلطان ہو سکتا ہے۔ (ابواب القضاء، عالمگیری، نول کشور: صفحہ ۴۱۰ جلد سوم)

اور جب یہ صورت ہے کہ مسلم عوام والی تو بنا سکتے ہیں؛ مگر قاضی نہیں منتخب کر سکتے تو ''شامی''، ''فتح القدیر'' اور ''بزازیہ'' تینوں کی تجاویز کا یہی خلاصہ نکلا کہ مسلم عوام والی مقرر کر سکتے ہیں؛ لیکن قاضی کا تقرر نہیں کر سکتے: کیوں کہ قاضی ایک ضمنی عہدہ ہے جسے صرف والی سپرد کر سکتا ہے اور اگر ضرورت کے بغیر مسلم عوام یا خواص باہمی رضا مندی سے کسی کو قاضی مقرر کر لیں گے تو بھی وہ شرعی قاضی نہیں بن سکتا۔ اسی طرح ''تاتارخانیہ''، ''محیط سرخسی''، ''بزازیہ''، علامہ ابن ہمام اور شامی کی عبارتوں کو ایک ساتھ پڑھیے تو دو دو چار کی طرح معلوم ہوتا ہے کہ مسلم عوام یا خواص کا خود کسی کو قاضی بنانا فقہ حنفی کے ائمہ اور مشایخ کے واضح مسلک کے خلاف: بل کہ بے دلیل ہے۔ اور جب یہ صورت ہے کہ بغیر والی منتخب کیے قاضی کا تقرر ہو ہی نہیں سکتا اور والی بنانے پر ہندوستان کا متحد ہونا جوئے شیر لانے کے برابر ہے اور ادھر نکاح و طلاق کے نزاعی مسائل ایسے سخت ہیں کہ ان سے صَرف نظر کرنا ممکن نہیں، ایسے سنگین حالات میں اس کے سوا دوسرا کوئی چارۂ کار نہیں رہ جاتا کہ

امام مالکؒ کے فتوی پر عمل کر کے قضائے قاضی کا عمل مکمل کرالیا جائے، کیوں کہ موجودہ ہندوستان میں مذہب غیر پر عمل کیے بغیر معاشرتی مسائل کا حل کرنا ممکن نہیں رہا، یہ ہے ضرورت داعیہ۔

نائب امام:

سوال: پھر شرعی پنچایت قاضی کا کام کس طرح انجام دے سکتی ہے؟

جواب: امام مالک نے شرعی پنچایت کو قاضی نہیں؛ بل کہ والی اور حاکم اسلام کے قائم مقام تسلیم کیا ہے اس لیے اسے فصل خصومات کا حق خود بخود مل جاتا ہے بس فرق اتنا ہے کہ جب مسلم رائے عامہ سے دارالاسلام میں امام وقت مقرر ہو جاتا ہے تو اسی مسلم رائے عامہ سے دارالکفر میں سہ نفری پنچایت امام کی قائم مقام بن جاتی ہے تو جس طرح رائے عامہ نے وہاں اسے قوتِ تنفیذ عطا کی تھی اسی طرح امام مالکؒ کے نزدیک اس شرعی پنچایت کو بھی قوت تنفیذ حاصل ہے؛ اگر چہ اس نائب کو قوت قاہرہ اور شوکت ظاہرہ نہیں ہے۔

تعاملِ امت:

سوال: اس انتخاب کی کوئی نظیر بھی تاریخ اسلام میں ہے؟

جواب: اس کا صحیح جواب تو مالکی علماء وفقہاء دے سکتے ہیں؛ لیکن ہمیں تاریخ اسلام میں کہیں نظر سے نہیں گزرا کہ مسلمانوں نے جسے چاہا قاضی بنا لیا ہو اور اسے فصل خصومات کا مجاز مان لیا ہو؛ البتہ ایسا ہوا ہے اور خیر القرون سے ہوتا رہا ہے کہ جہاں امام، والی، حاکم یا سلطان کی جگہ خالی ہوئی وہاں عوام وخواص نے کوئی والی یا نائب والی مقرر کر دیا ہے پھر اس نے انتظام سلطنت کے لیے قاضی، کوتوال، عامل صدقہ جیسے عہدیداروں کا تقرر کیا ہے؛ چناں چہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلم رائے عامہ نے ثقیفہ بنی

ساعدہ میں حضرت ابو بکرؓ کو امام وقت مقرر کیا تھا، اور حضرت عمرؓ کے بعد ان کی بنائی ہوئی ۷ نفری جماعت مسلمین نے امام کا انتخاب کیا تھا۔ پھر دوسرے انتظامات امام وقت حضرت عثمان غنیؓ نے کیے تھے؛ کیوں کہ قاضی کا معاملہ انتخاب سے نہیں انتظام سے متعلق ہے اور انتظام کا ذمہ دار والی یا امام ہے رائے عامہ نہیں ہے، اس لیے امام مالکؒ نے جماعت مسلمین کو امام کا قائم مقام بنا کر مجتہدانہ اقدام فرمایا ہے۔ فجزاہم اللہ خیر الجزاء!

ان کے اس اجتہاد کی وجہ سے غیر اسلامی ملکوں میں قضاء کا مسئلہ بہت آسان اور قابل عمل ہو گیا ہے، میں امید کرتا ہوں کہ ہندوستان کے ارباب فتویٰ اور اہل علم اس پر روشنی ڈالیں گے!

نوٹ: حضرت مولانا افضال الحق جوہؔر قاسمیؒ نے اس مضمون کے علاوہ مستقل رسالہ مسلمانان ہند کی خاندانی مشکلات کا حل ''شرعی پنچایت یا قاضی؟'' ۷۲ ر صفحات پر مشتمل تحریر فرمایا تھا جس میں مندرجہ ذیل مباحث پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے:

۱۔ ہندوستانی مسلمانوں کے عائلی مسائل کون طے کرے؟

۲۔ تلفیق فی المذہب کی مجبوریاں اور شرطیں۔

۳۔ شرعی پنچایت کا طریق کار اور طریقہ انتخاب۔

۴۔ ہندوستان میں شرعی پنچایت کا جواز۔

۵۔ افتائے مفتی اور قضائے قاضی کا فرق۔

۶۔ قاضی یا شرعی پنچایت کی آئینی حیثیت۔

یہ رسالہ دراصل ''معاشرتی مسائل کا حل دار القضاء'' (مرتبہ مولانا زبیر احمد قاسمی، استاذ جامعہ رحمانیہ، مونگیر، بہار) کا جواب ہے۔

اہم مکتوب

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ

بنام

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوریؒ

"........میں نے مولانا اسعد صاحب (سابق صدر جمعیۃ علمائے ہند) اور مولانا شاہ عون احمد صاحب (سابق قاضی القضاۃ دارالقضاء امارت شرعیہ، بہار) دونوں سے کہہ دیا تھا کہ ہماری امارت کے ماتحت دارالقضاء قائم نہیں ہوسکتا۔ شرعی پنچایت "محکمہ شرعیہ" کے نام سے قائم کی جائے گی اور حیلۂ ناجزہ کے مطابق عمل درآمد ہوگا۔ دونوں صاحبان نے بلاتامل اس کو تسلیم کیا"!

والسلام

حبیب الرحمٰن اعظمی

بقلم محمد عاصم

۶ /ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ

(دہلی)

(ماخوذ از: دوماہی رسالہ "الرّیاض"، گورینی جونپور، بابت ماہ ربیع اول وثانی ۱۴۰۷ھ)

اہم ملفوظ

(۱) جب یہ خبر سنی گئی کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن محدث اعظمیؒ کو مولانا اسعد مدنی صاحب نے امیر الہند تجویز کردیا ہے تو مولانا زین العابدین صاحب معروفیؒ نے دوسرے ہی دن بنارس سے مئو جاکر حضرت محدث اعظمیؒ سے دریافت کیا کہ ایک عرصہ سے امیر الہند منتخب کرنے پر اکابر اہل علم وافتاء کو جو علمی وفقہی اشکالات تھے کیا وہ سب رفع ہوگئے؟ حضرت اعظمیؒ نے جواب دیا کہ ہاں بھئی! مجھے بھی پورے طور سے ابھی اس پر اطمینان وانشراح نہیں ہوسکا ہے۔!

اہم یادداشت

(۲) مفصل تاریخ امیر الہند اور مختصر روداد امارت شرعیہ ہند سے صاف صاف یہ ظاہر اور ثابت ہوتا ہے کہ ابوالمظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی ہندؒ کی وفات، حضرات شہیدینؒ کی شہادت اور سید الطائفہ حاجی صاحبؒ کی ہجرت کے بعد سے امیر شریعت وامیر الہند کی تجویز محض تجویز ہی وقفہ وقفہ سے پاس ہوتی رہی ہے؛ مگر اس کی تنفیذ نہیں ہوسکی ہے۔ الآن کما کان!

والی شرعی کے بغیر قاضی شرعی کا تقرر غیر شرعی!

از: ترجمانِ حق حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس رومی صاحبؒ
سابق مفتی شہر آگرہ

نحمدہٗ نصلی علیٰ رسولہ الکریم

آج کل جدھر دیکھیے امیر الہند، امیر شریعت، دار القضاء اور قاضی شرعی کی بحث، جدھر سنئے یہی مسئلہ موضوعِ گفتگو بنا ہوا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ بات نہایت خوش آیند اور وقت کی اہم ضرورت ہے؛ چناں چہ ہر مذہب دوست اور دیندار مسلمان دل سے یہی چاہتا ہے کہ کاش! ہماری زندگی کے تمام ہی معاملات مذہبی بنیادوں پر انجام پذیر ہوتے، ہمارا سارا نظامِ حیات ہی مذہبی و اسلامی ہوتا؛ لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ نہ تو اسلام صرف خالی خولی فلسفہ ہے اور نہ ہی اس کی دنیا صرف خیالی دنیا ہے کہ ہم محض خوش آیند خیالات کی بنیاد پر آرزوؤں اور تمناؤں کی پوری عمارت کھڑی کرلیں۔ دین میں جتنے بھی احکام و ہدایات ہمیں دیے گئے ہیں ان کے ادا کرنے کا طریقہ ہمیں دین میں بتایا گیا ہے۔ دین نے نماز، روزہ، حج، زکاۃ وغیرہ عبادات کا حکم دیا ہے تو ان کے ادا کرنے کا پورا طریقہ بھی متعین طور پر مقرر کیا ہے۔

مثال کے طور پر نماز ہی کو لے لیجیے کہ نماز ادا کرنے کے لیے نمازی کے بدن و لباس اور جگہ کی طہارت کی شرط بھی لگائی گئی ہے۔ اگر کوئی شخص ناواقفیت میں بغیر شرطِ

طہارت ہی نماز پڑھتا رہے اور یہ سمجھے کہ اصل مقصد تو خدا کی عبادت ہے جو اس طرح بھی حاصل ہو جاتا ہے اور مسئلہ بتانے والے کی بات پر کان نہ دھرے اور کہے میں تو اتنے دنوں سے نماز پڑھ رہا ہوں میری نماز تو برابر ہو جاتی ہے پتہ نہیں یہ کیسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ نماز نہیں ہوتی۔

آپ غور فرمائیں! آپ ایسے شخص سے کیا کہیں گے، یہی تو کہیں گے کہ بھائی نماز پڑھنے کا جو طریقہ دین میں مقرر کیا گیا ہے تمہاری نماز اس طریقہ کے مطابق نہیں ہے، اس لیے دین وشریعت کی رو سے وہ نماز، نماز ہی نہیں؛ بل کہ نماز کا مذاق ہے اور فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق ایسی نماز سے فریضہ نماز تو کیا ادا ہوگا الٹے کفر کا اندیشہ ہے۔

اس تمہید کو سامنے رکھتے ہوئے آیئے! اب مسئلہ زیر بحث کو بھی دیکھیں کہ دین و شریعت میں قاضی شرعی اور والی مسلمین (امیر المسلمین) کے متعلق احکام وہدایات کیا ہیں؟ امیر شرعی اور قاضی شرعی کی ضرورت کوئی آج کی نئی ضرورت نہیں ہے کہ اس وقت اس مسئلہ کا کوئی جواب اور اس مشکل کا کوئی حل تلاش کرنے کے لیے قائدین ملت کو اجتہاد کرنے کی ضرورت ہو؛ بل کہ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے زوال وسقوط کے بعد ہی اس کی ضرورت برابر محسوس کی جاتی رہی ہے۔

۱۸۵۷ء میں حکومت مغلیہ کا زوال ہو گیا تھا، اس کے بعد ۱۸۶۴ء تک یہاں اسلام کا عائلی قانون جاری رہا اور مسلمانوں کے مقدمات کے فیصلے شرعی قاضی ہی کیا کرتے تھے اور حکومت وقت کی طرف سے دیے ہوئے اختیار وقدرت کی وجہ سے وہ قاضی اپنے فیصلوں کے نفاذ میں مجبور نہ تھے؛ لیکن ۱۸۶۴ء کے بعد بعض ریاستوں (مثلاً حیدر آباد، بھوپال، رامپور وغیرہ) کو چھوڑ کر پورے ملک ہی سے ''نظام قضاء'' ختم کر دیا گیا۔

اب بالکل بے اختیار صرف نام کے ہی قاضی باقی رہ گئے جو رویت ہلال کے فیصلے اور جمعہ وعیدین کی امامت کرتے اور کہیں کہیں اور کبھی کبھی حکم وثالث کے طور پر مسلمانوں کے بعض نزاعات ومقدمات کے فیصلے بھی کرتے یہ حضرات ''قاضی شہر'' تو کہے گئے ؛لیکن انھیں ''قاضی شرعی'' نہ کہا گیا نہ سمجھا گیا نہ ہی ان میں سے کوئی ''امیر شریعت'' یا ''امیر الہند'' بننے کا مدعی ہوا۔

اس کی وجہ یہ بھی نہ تھی کہ اس وقت ایسے حضرات موجود نہ رہے ہوں جنھیں مسلمان تراضی باہم سے قاضی بنانے پر آمادہ نہ رہے ہوں سرکاری طور پر ''نظام قضا'' ختم ہوجانے کے وقت بھی اور اس کے بعد بھی برابر ہندوستان میں علمائے ربانی اور اصحاب علم و فتوی کی بڑی تعداد موجود تھی جن میں سے متعدد حضرات کو مقبولیت و مرجعیت عامہ بھی حاصل تھی جیسا کہ حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمہ کی وقیع علمی یادداشت ''معارف شیخ'' سے پتہ چلتا ہے، فرماتے ہیں:

''اس سے کون شخص انکار کرسکتا ہے کہ حضرت گنگوہیؒ کے حکم کے بعد گنگوہ میں، حضرت شیخ الہندؒ کے ارشاد سے دیوبند میں، حضرت سہارن پوریؒ کی (تجویز سے) سہارن پور میں، حضرت تھانویؒ کے حکم سے تھانہ بھون میں کوئی بھی شرعی حیثیت سے انکار نہیں کر سکتا تھا؛ لیکن ان حضرات نے کہیں بھی بہ تراضی مسلمین مواقع مذکورہ میں قاضی مقرر نہیں کیا؛ بل کہ بار بار حکومت سے تجویز قاضی (قاضی مقرر کرنے) کا مطالبہ کرتے رہے، اسی وجہ سے ''حیلۂ ناجزہ'' کی تالیف ہوئی جس کی ابتدائی تحریک خود حضرت مدنیؒ کی طرف سے ہے۔ اگر غیر قادر (بے اقتدار) قاضی کافی ہوتا تو اس مخمصہ کی ضرورت نہ تھی''۔

(معارف شیخ: صفحہ ۲۰)

اس معاملہ میں بنیادی دشواری یہی تھی اور ہے کہ ''قاضی شرعی'' مقرر کرنے کا حق مسلمانوں کو نہیں؛ بل کہ صرف سلطان اسلام اور والی مسلمین کو ہے۔

چناں چہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''قاضی مقرر کرنے کا اختیار بادشاہ اور امام کو ہے لوگ اگر خود قاضی مقرر کرلیں تو وہ قاضی نہ ہوگا؛ کیوں کہ ان کے مقرر کیے ہوئے قاضی کو تنفیذ احکام کا اختیار اور قدرت نہ ہوگی۔ اذا اجتمع اھل بلدۃ علیٰ رجل و جعلوہ قاضیا یقضی فیما بینھم لا یصیر قاضیاً۔ (عالمگیری: صفحہ ۳۸۵ ج ۴)

ترجمہ: کسی شہر کے مسلمان اگر مجتمع ہو کر کسی شخص کو اپنا قاضی مقرر کرلیں جو ان کے مقدمات کے فیصلے کرے تو وہ شخص قاضی (شرعی) نہ ہوگا۔''

ہمارے اکابر کے سامنے ماضی میں یہی دشواری تھی کہ حضرت گنگوہی، حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب، حضرت تھانوی، حضرت مدنی علیہم الرحمہ میں سے کسی نے بھی کہیں نصب امیر اور تقرر قاضی کے لیے ''تراضی مسلمین'' کا یہ ''سستا نسخہ'' آزماتے ہوئے نہ تو خود ہی امیر المسلمین و قاضی القضاۃ بننے کی کوشش کی نہ دوسرے ہی کو کہیں کا قاضی مقرر کیا۔

بعض علماء کی تحریرات میں کتب فقہ کی بعض عبارات کی بنیاد پر ''تراضیٔ مسلمین'' سے قاضی مقرر کرنے کا جواز نقل کر کے اس پر عمل درآمد کی راہ نکالی گئی ہے؛ مگر ان حضرات نے متعلقہ عبارت کے صرف ایک جز پر ہی اپنی تمام تر توجہ مرکوز فرماتے ہوئے دوسرے جز کو بڑی حد تک نظر انداز کر دیا ہے۔

فقہ کی متعدد کتابوں میں اس قسم کی عبارت موجود ہے:

”واما بلاد عليها وُلاة كفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمع والأعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلما منهم“۔ (شامی: صفحہ ۳۳۹ ج ۴)

ترجمہ: اور ایسے شہر جن پر کفار حاکم ہوں تو مسلمانوں کے لیے یہ بات درست ہے کہ وہاں جمعہ اور عیدین کی اقامت کریں اور وہاں ”تراضی مسلمین“ سے قاضی، قاضی بن جائے گا اور مسلمانوں پر یہ بات واجب ہوگی کہ وہ اپنے لیے اپنے میں سے ایک مسلمان والی مقرر کرلیں۔

یہ عبارت تاتارخانیہ کی ہے جسے شامی نے بھی نقل کیا ہے اور تقریباً یہی عبارت ”البحر الرائق“ جلد ششم میں ”جامع الفصولین“ سے نقل ہوئی ہے۔ اور اسی قسم کی ایک عبارت ”شامی“ جلد اول میں ”معراج الدرایہ“ سے بحوالہ ”مبسوط“ نقل کی گئی ہے اور اسی طرح کی ایک عبارت ”فتح القدیر“ شرح ہدایہ سے نقل کی گئی ہے، ملاحظہ ہو:

واذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة في بلاد المغرب الآن و بلنسية و بلاد الحبشة واقروا المسلمين عندهم على مال يوخذ فيجب عليهم أن يتفقوا علىٰ واحدٍ يجعلونه والياً فيولى قاضياً بينهم أو يكون هو الذي يقضى بينهم و كذا ينصبونهم إماماً يصلى بهم الجمعة۔

ترجمہ: اور جب سلطان اسلام نہ ہو اور نہ ایسا شخص ہو جس کی طرف سے قاضی کا مقرر ہونا درست ہو (مثلاً والی وسلطان) جیسے کہ بعض بلاد مسلمین ہیں جن پر کفار غالب آگئے ہیں جیسے بلاد مغرب میں قرطبہ اور بلنسیہ اور بلاد حبشہ وغیرہ ہیں اور کفار نے

مسلمانوں سے کچھ مال (ٹیکس) لے کر مسلمانوں کو اپنے شہروں میں قیام کی اجازت دیدی ہے تو ایسی حالت میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنی جماعت میں سے کسی ایک شخص کو متفق ہو کر والی بنائیں اور وہی والی مسلمانوں کے لیے قاضی مقرر کرے گا کہ مقدمات کا فیصلہ کرے یا وہ والی خود ہی مقدمات کا فیصلہ کرے گا اور اسی طرح مسلمانوں کو امام بھی مقرر کر لینا چاہیے جو انہیں نماز جمعہ پڑھائے۔ (فتح القدیر: صفحہ ۳۶۵ ج ۶)

حضرات فقہاءؒ کی ان عبارات میں دو باتیں کہی گئی ہیں یعنی بلاد کفر میں مسلمانوں کی پہلی ذمہ داری تو یہ ہے کہ وہ اتفاق رائے سے اپنے لیے والی وامیر کا تعین وانتخاب کریں، اس کے بعد دوسری ذمہ داری اس منتخب والی وامیر کی ہوگی کہ وہ مسلمانوں کے فیصلہ مقدمات کے لیے قاضی مقرر کرے یا خود ہی قضائے مقدمات بھی کرے۔

تعیین والی تو تراضیٔ مسلمین سے ہوگا؛ لیکن تقرر قاضی تراضیٔ مسلمین سے نہیں؛ بل کہ نصب والی سے قاضی مقرر ہوگا۔ یہی بات ہم اوپر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی ''کفایت المفتی'' سے نقل کر آئے ہیں کہ:

''قاضی مقرر کرنے کا اختیار بادشاہ اور امام کو ہے لوگ اگر خود قاضی مقرر کر لیں تو وہ قاضی نہ ہوگا؛ کیوں کہ ان کے مقرر کیے ہوئے قاضی کو تنفیذ احکام کا اختیار اور قدرت نہ ہوگی''۔

لیکن جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ بعض علماء نے معاملہ کے صرف ایک جزء کو اپنی تمام تر توجہ کا مرکز بنا دیا ہے اور دوسرے جزء کی اہمیت کو نظر انداز فرما گئے ہیں۔

حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری علیہ الرحمۃ کا خطبۂ صدارت جو ''مسلمان ایک امت ایک جماعت'' کے نام سے شایع ہوا ہے اور مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب کا رسالہ

''ہندوستان اور مسئلہ امارت'' یہ دونوں ہی کتابیں خاص اسی موضوع سے متعلق ہیں۔ان دونوں ہی حضرات نے متذکرہ بالا کتب فقہ کی وہ عبارات نقل کی ہیں جن میں سے دو عبارتیں ہم اوپر نقل کرآئے ہیں۔ان عبارتوں کے نقل کے بعدان کا حاصل وخلاصہ جس انداز میں تحریر فرمایا گیا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات فقہاءؒ نے بلاد کفار میں نظام شرعی اور نظام قضاء قائم کرنے کے لیے انتخاب والی وامیر کو جو بنیادی حیثیت دی تھی وہ بڑی حد تک ملحوظ نہ رہ سکی۔حضرت مولانا مونگیری علیہ الرحمۃ کے خطبۂ صدارت کے بعض اقتباسات ملاحظہ ہوں:

(الف) حضرات فقہاء کی تیسری تصریح نقل فرمانے کے بعد فرماتے ہیں:

''یہ عبارت اس باب میں صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ جب حکومت کافرہ ہو جائے تو مسلمانوں کو اپنے لیے خاص نظم کرنا چاہیے اور والی طلب کرنا چاہیے اور قاضی بنانا چاہیے۔'' (خطبۂ صدارت:صفحہ ۲۴)

(ب) چوتھی تصریح نقل فرمانے کے بعد فرماتے ہیں:

''اس عبارت میں بھی بالکل صراحت ہے کہ حکومت کافرہ قائم ہو جائے تو ایسی صورت میں مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی، قاضی ہوگا یعنی مسلمانوں کو خود اپنا قاضی بنانا چاہیے اور یہ بھی صراحت ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ والی طلب کریں''۔

(خطبۂ صدارت:صفحہ ۲۴)

اسی طرح مولانا عبدالصمد رحمانی کے رسالہ کا بھی ایک اقتباس ملاحظہ ہو،فرماتے ہیں:

''ان سب قولوں کا حاصل اور مشترک مفاد یہ ہے کہ جن شہروں میں کفار کا قبضہ

ہوتو وہاں کے مسلمانوں پر ایک والی کا قیام شرعاً واجب ہے اور اگر وہاں کے مسلمان باہمی رضامندی سے ایک شخص کو قاضی بنالیں گے تو وہ شرعاً ان کا قاضی ہوگا۔''

(ہندوستان اور مسئلہ امارت: صفحہ ۱۷)

ان عبارات میں بات جس طرح کہی گئی ہے اس سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ بلاد کفار میں والی وامیر کی تعیین وانتخاب کا وجوب ایک الگ بات ہے اور تراضیٔ مسلمین سے کسی کو قاضی بنالینا یہ الگ دوسری بات ہے؛ حالاں کہ واقعتاً یہ دو باتیں نہیں ہیں؛ بل کہ ایک ہی بات ہے وہ اس طرح کہ بلاد کفر میں مسلمانوں پر صرف یہی ذمہ داری ہے کہ وہ اتفاق رائے سے اپنا کوئی والی وامیر مقرر کرلیں، اس کے بعد مسلمانوں کے لیے قاضی کا تقرر تو یہ ذمہ داری اس والی وامیر کی ہے، والی کے بغیر محض تراضی مسلمین سے کوئی شخص قاضی شرعی نہیں ہوسکتا جیسا کہ ''کفایت المفتی'' سے بحوالہ ''عالمگیری'' اوپر نقل کیا جاچکا ہے: بل کہ مولانا مونگیریؒ علیہ الرحمۃ کے خطبوں میں بھی پانچویں تصریح کے بعد فرمایا گیا ہے:

''پس فتح القدیر کی اس عبارت نے نہایت واضح طریقہ پر یہ حکم بتا دیا کہ حکومت کافرہ قائم ہوجانے کے بعد مسلمانوں کو خود اپنا والی منتخب کرنا چاہیے اسی کو قاضی مقرر کرنے کا اختیار رہوگا۔ نصوص شرعیہ اور دیگر اصول کا بھی یہی مقتضا ہے''۔

(خطبۂ صدارت: صفحہ ۲۶)

گویا حضرت مولانا مونگیری علیہ الرحمۃ کے نزدیک بھی ''فتح القدیر'' کی عبارت کی وضاحت کے مطابق مسلمانوں کے کرنے کا کام یہ ہے کہ وہ اپنا متفقہ والی وامیر منتخب کریں، اس کے بعد قاضی کا تقرر تو یہ اسی والی کے اختیار کی بات ہے یعنی دوسرے لفظوں میں صرف تراضی مسلمین سے قاضی کا تقرر علامہ ابن ہمامؒ کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہے۔

نقطۂ اختلاف:

معروضات بالا کی روشنی میں بحث کا نقطۂ اختلاف ایک حد تک واضح اور متعین ہوجاتا ہے کہ یہ بات توبالاتفاق تسلیم ہے کہ بلاد کفر میں مسلمانوں کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے لیے کسی مُجمع علیہ اور متفق علیہ شخصیت کو والی وامیر کی حیثیت سے منتخب ومقرر کرلیں۔اس کے بعد یہ ذمہ داری اس والی وامیر کی ہوگی کہ وہ ہر جگہ اپنے نائب کی حیثیت سے قاضی کا تقرر کرے۔

حاصل یہ ہوا کہ عام مسلمانوں کا کام صرف تعیین والی وامیر ہے،تقرر قاضی والی و امیر کا کام ہے۔عام مسلمانوں کی تراضی سے مقرر شدہ قاضی،قاضئ شرعی نہیں ہوگا۔

اس نقطۂ اتفاق کے بعد نقطۂ اختلاف کی تعیین آسان ہوجاتی ہے؛مگر اس کے لیے ہمیں مختصر انداز میں ماضی کا بھی کچھ جایزہ لینا ہوگا۔

امیر شرعی وقاضی شرعی کی اس بحث کا آغاز اب سے تقریباً ساٹھ سال پہلے ہی ہو چکا تھا جب ملک کے جمہور علماء کے موقف سے اختلاف کرتے ہوئے صوبۂ بہار میں''امارتِ شرعیہ'' کا قیام عمل میں لایا گیا۔جمہور علمائے احناف کے موقف کا تعین کرنے کے لیے حضرت مولانا تھانوی علیہ الرحمہ کا تالیف کردہ رسالہ ''الحيلة الناجزة'' بہت کافی ہے جس پر پورے غیر منقسم ہندوستان کے اصحاب علم اور اصحاب فتویٰ کی تائیدات مہر ودستخط کے ساتھ ثبت ہیں۔اگر قاضی شرعی کا تقرر اتنا ہی آسان ہوتا تو''شرعی پنچایت'' کا سہارا کیوں لیا جاتا؟

امیر الہند کا مسئلہ اس سے پہلے بھی اٹھ چکا ہے۔ایک بار جناب ابوالکلام آزاد صاحب کو امیر الہند بنانے کی بات زیر غور تھی جو اسی وجہ سے عملی شکل میں نہ آسکی کہ حضرات

علماء بجا طور پر یہ سمجھتے تھے کہ والی وامیر کے لیے جیسے اتحاد وانقیاد کی ضرورت ہے وہ موجود نہیں، دوسری بار ۱۹۴۵ء میں یہ مسئلہ کہ اس وقت حضرت مدنی علیہ الرحمہ کا نام ذہنوں میں تھا؛ لیکن اس وقت بھی اس شرعی قباحت کے باعث خود حضرت مدنی علیہ الرحمہ نے امیر الہند کی تجویز کو بروئے کار نہ آنے دیا، مختصراً یہ کہ یہ مسئلہ اب سے پہلے کئی بار اٹھ چکا ہے؛ مگر پہلے اسے طالع آزمائی کی نیت سے نہیں اٹھایا گیا تھا اور اب یہ طالع آزمائی کا بہترین وسیلہ بن گیا ہے۔ (چناں چہ یہاں ایک ہی وقت میں ایک امیر الہند کا اعلان دہلی میں کیا گیا اور دوسری طرف ایک امیر شریعت کا اعلان بمبئی میں کرنے کی کوشش کی گئی۔)

جن حضرات نے اپنے ذاتی اجتہاد واستنباط پر مدار حکم وفیصلہ رکھا انھوں نے اس شرط کی ضرورت واہمیت کو نظر انداز کرتے ہوئے والی وامیر کے انتخاب کا فیصلہ کرلیا اور ان کے برخلاف بیشتر حضرات اہل علم وفتویٰ نے قوت تنفیذ واختیار کے بغیر صرف نام کے والی وامیر کا انتخاب نادرست اور غیر صحیح سمجھا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر کتب فقہ کی چند تصریحات کی روشنی میں مسئلہ کا یہ پہلو بھی واضح کر دیا جائے کہ دین وشریعت کی اصطلاح میں والی وامیر کی تعریف کیا ہے۔ اور یہ کہ کسی امیر کے لیے صاحب اختیار واقتدار ہونا بھی شرعاً ضروری ہے یا نہیں؟

چند عبارات ملاحظہ ہوں:

(الف) ”الحکم بالعدل ودفع الظلم عن المظلوم من باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنکر وذلک فرض علیٰ کل مسلم إلا ان من کان من الرعیة فهو غیر متمکن من الزام ذلک فإذا تمکن من ذالک بقوة من قلده کان علیه أن یحکم بما هو فرض علیه سواء کان من قلده باغیاً او عادلاً فان شرط التقلید التمکین وقد حصل“۔

(ب) "والقضاء في الشرع قول ملزم يصدر عن ولاية عامة كذا في خزانة المفتين"۔

ترجمہ: انصاف کا حکم دینا اور کسی مظلوم سے ظلم کو دور کرنا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تحت آتا ہے اور یہ بات ہر مسلمان پر فرض ہے؛ لیکن جو شخص رعیت کی حیثیت میں ہے وہ اس پر قدرت نہیں رکھتا کہ اپنے حکم کو کسی پر لاگو کر سکے اور جب وہ اس شخص کی قوت کی وجہ سے جس نے اس پر یہ ذمہ داری ڈالی ہے خود بھی صاحب قدرت ہو جائے گا تو پھر اس پر یہ فریضہ عائد ہو جائے گا، چاہے وہ حاکم جس نے اس پر ذمہ داری ڈالی ہے باغی ہو یا عادل ہو؛ کیوں کہ ذمہ داری قبول کرنے کی شرط قدرت وقوت ہے اور وہ اب حاصل ہو گئی ہے۔

قضائے شرعی وہ حکم و فیصلہ ہے جو کسی پر لازم کیا جائے اور یہ فیصلہ ایسے شخص (حاکم) سے ہو جسے عام ولایت حاصل ہو۔ (عالمگیری: صفحہ ٣٠٦ ج ٣)

درمختار میں قضاء کے ارکان چھ بتائے ہیں:

(ج) "أركانه ستة: حكم محكوم به ومحكوم له ومحكوم عليه وحاكم وطريق الحكم"۔

قضاء کے رکن چھ ہیں: حکم، محکوم بہ، محکوم لہ اور محکوم علیہ، حاکم اور طریقہ حکم۔

(درمختار: صفحہ ٤٦٤ ج ٤)

(د) "والإمام يصير إماماً بأمرين بالمبايعة من الاشراف والأعيان وبان ينفذ حكمه في رعيته خوفا من قهره وجبروته"۔

ترجمہ: اور امام دو طریقوں سے امام ہوتا ہے ایک تو اہل حل وعقد اشراف و اعیان قوم کے بیعت کر لینے سے، دوسرے یہ کہ اس کے قہر و غلبہ کی وجہ سے اس کا حکم رعایا پر نافذ ہو جائے۔

”فان بايع الناس الإمام ولم ينفذ حكمه فيهم لعجزه عن قهرهم لا يصير إماماً“۔

ترجمہ: لہٰذا اگر لوگوں نے امام سے بیعت تو کر لی اور اس کے عاجز و بے اختیار ہونے کی وجہ سے اس کا حکم لوگوں میں نافذ نہ ہوسکا تو یہ شخص امام نہ ہوگا۔

(ردالمحتار: صفحہ ۳۴۰ ج ۴، بحر: صفحہ ۲۶۱ ج ۳، شامی: صفحہ ۳۴۰ ج ۳)

ان تصریحات کے پیش نظر ہمارے اکابر روز اول ہی سے یہ فرماتے رہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے جو حالات ہیں ان میں کسی مُجمع علیہ اور متفق علیہ شخصیت کا بحیثیت والی منتخب ہونا صرف مشکل ہی نہیں مزید اختلاف وانتشار کا سبب ہوگا۔

اسی وجہ سے ماضی میں جب جب یہ سوال اٹھا برابر ہمارے اکابر نے شرعی طور پر اس میں تامل کیا اور اپنے آپ کو اس کی تحریک سے علیحدہ رکھا ہے۔

غلط فہمی کا ازالہ:

بعض حضرات کو کتب فقہ کی بعض عبارات سے یہ غلط فہمی ہوگئی ہے کہ ”تراضی مسلمین سے بھی کسی کو قاضی مقرر کیا جاسکتا ہے۔“ یہ حضرات اپنے استدلال میں ”عالمگیری“ اور ”شامی“ کی بعض عبارات پیش کرتے ہیں، ”عالمگیری“ کی عبارت تو وہی ہے جو ہم ابتدائے مضمون میں پیش کر آئے ہیں کہ ”یصیر القاضي قاضیاً بتراضي المسلمین“ اور ”شامی“ کی عبارت یہ ہے جو انھوں نے ”بزازیہ“ کی عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرمائی ہے: ”لو اجتمع أهل بلدة علی تولیة واحد القضاء لم یصح الخ“۔

”قلت وهذا حیث لاضروة والا فلهم تولیة القاضي أیضاً کما یأتي بعدهٗ“۔ (شامی: صفحہ ۳۴۲ ج ۴)

ترجمہ: اور اگر اہل شہر مل کر کسی ایک کو قضاء کا ذمہ دار بنا دیں تو یہ صورت صحیح نہ ہوگی۔ (علامہ شامیؒ اس کی توجیہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ) یہ صورت وہاں ہے جہاں ضرورت نہ ہو ورنہ ضرورت کے موقع پر انھیں (عام مسلمانوں کو) کسی شخص کو قاضی بنا لینے کا بھی جواز ہے۔

علامہ شامیؒ کی اس عبارت سے لوگوں نے ''قاضی شریعت'' کی گنجائش سمجھ لی جو مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ بھی کرے؛ مگر یہ بات صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ ''قاضی شریعت'' کے لیے صاحب اختیار ہونا ضروری ہے؛ چناں چہ صاحب بحر نے قاضی شرعی کے دائرہ کار اور حدودِ کار کو مفصل بیان کیا ہے اس میں دوسرے ہی نمبر پر قاضی کا یہ کام بھی بتایا ہے کہ:

''**ویملک حبس الممتنع عن أداء الحق و من وجب علیه تعذیر و رأی حبسه**''۔ (البحر الرائق: صفحہ ۲۷۲ ج ۲)

ترجمہ: قاضی کو یہ بھی حق ہے کہ جو شخص کسی کا حق واجب ادا نہ کرے تو یہ اس کو قید کر دے اور ایسے ہی اس شخص کو بھی قید کر دے جس پر تعزیر واجب ہو اور اس کی رائے میں اسے قید کیا جانا چاہیے۔

ہندوستان میں کون قاضی شریعت کسی کو قید کر سکتا ہے؟ لامحالہ ایسی عبارتوں کا مطلب وہی قاضی شہر یا قاضی جمعہ وعیدین ہے۔ اس سے ''قاضی شرعی'' مراد لینا درست نہیں ہے، ایسے قاضی پہلے بھی ہوتے رہے ہیں اور آج بھی ہو سکتے ہیں؛ لیکن ''قاضی شرعی'' یا ''امیر شرعی'' کا تقرر قوت تنفیذ و اختیار کے بغیر درست نہیں ہے جیسا کہ اوپر ''عالمگیری'' اور ''کفایت المفتی'' سے نقل کیا جا چکا ہے۔

و آخر دعوانا أن الحمد للہ رب العلمین!

علمائے مدارس کا متفقہ فتویٰ

بروقت انتخاب امیر الہند از جمعیۃ علمائے ہند (دہلی)

و

تجویز امیر شریعت از آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ (بمبئی)

کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام و مفتیان کرام مسائل ذیل کے بارے میں؟

(۱) موجودہ زمانہ میں مسلمانان ہند کی غیر منظم حالت کو دیکھتے ہوئے ہم کو ''امارت شرعیہ ہند'' قائم کرنے اور ''کل ہند امیر المؤمنین'' منتخب کرنے کی اجازت ہے یانہیں؟

(۲) یا صوبائی سطح پر ''امیر شریعت'' مقرر کرنے کا حق حاصل ہے یانہیں؟

(۳) یہاں قاضی شریعت منتخب کیا جا سکتا ہے یانہیں؟

(۴) امارت اور قضاء کے لیے شرعاً کیا شرائط ہیں؟

سید منظور احسن نصیر آبادی
متعلم مظاہر علوم سہارن پور
۷/۷/۱۴۰۷ھ

الجواب بعون الملک الوهاب

(۱) اگر امارت شرعیہ کے قیام یا امیر المومنین کے انتخاب سے مسلمانان ہند کی غیر منظم حالت کا منظم ہو جانا ممکن ہو اور عامۃ المسلمین سمع و طاعت کے ساتھ کسی ایک شخصیت کی ولایت و امارت پر مجتمع ہو سکیں تو مسلمانوں کے لیے امارت شرعیہ کا قیام اور امیر المومنین کا انتخاب صحیح ہو سکتا ہے؛ کیوں کہ تصریحات کتب فقہ کی روشنی میں امیر کے لیے قوت تنفیذ اور قہر و اقتدار ضروری ہے۔ قوت تنفیذ و اقتدار کے بغیر امارت شرعیہ کا قیام یا امیر شریعت کا انتخاب تصریحات فقہائے کرامؒ کے خلاف ہے؛ چناں چہ ''بحر رائق'' اور ''درمختار'' میں تصریح ہے:

''ویصیر الإمام إماماً بأمرین بالمُبایعة من الاشراف والأعیان وبان ینفذ حکمه في رعیته خوفاً من قهره وجبروته فان بایع الناس الإمام ولم ینفذ حکمه فیهم لعجزه عن قهرهم لا یصیر إماماً''۔ (بحر: صفحہ ۲۶۱ ج ٦ وشامی: صفحہ ۳۲۹ ج ۳)

(۲) جب ملکی سطح پر کوئی والی و امیر ایسا مقرر ہو چکا ہو جسے مسلمانوں پر ولایت عامہ اور قوت تنفیذ حاصل ہو تو والی و امیر صوبائی سطح پر اپنے نائبین بھی مقرر کر سکتا ہے؛ لیکن حالات موجودہ کے پیش نظر اس وقت کسی بھی شخصیت کے لیے صاحب ولایت عامہ اور مالک قوت قہریہ کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا ہے؛ اس لیے یہاں عملی طور پر یہ صورت نہ ممکن ہے اور نہ صحیح ہے۔ (اس لیے موجودہ مجوزہ ''امیر الہند'' اور ''امیر شریعت'' دونوں کے لیے حکم شرعی یہی ہے۔!)

(۳) فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ''إذا اجتمع أهل بلدة علیٰ رجل و جعلوه قاضیاً یقضی فیما بینهم لا یصیر قاضیاً''۔ (عالمگیری: صفحہ ۳۸۵ ج ۴)

اس تصریح سے معلوم ہو گیا کہ قاضی کا نصب وانتخاب عامۃ المسلمین کا کام نہیں ہے اس لیے عام مسلمانوں کا کسی کو قاضی بنا لینا کہ ان کے مقدمات کا فیصلہ کیا کرے شرعاً صحیح نہیں ہے۔

(۴) امارت وقضاء کے لیے شرعاً وہی شرائط معتبر ہیں جو شرائط ادائے شہادت کے لیے ضروری ہیں، جیسا کہ عام کتب فقہ میں مذکور ہے ''درمختار'' میں اس کے ارکان چھ بتلائے گئے ہیں جن میں ایک رکن حکم دوسرا رکن حاکم بھی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قاضی کے لیے صاحب حکومت ہونا رکن قضاء ہے، غیر صاحب حکومت قاضی شرعی نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

عبدالقدوس رومیؔ

مفتی شہر دارالافتاء جامع مسجد آگرہ

۱۵/۷/۷ ۱۴۰ھ

(۱) حضرت مولانا مفتی مظفر حسین اجراڑویؒ (صدر مفتی مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور)

(۲) حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوریؒ (مفتی مظاہر علوم سہارن پور، ناظم خانقاہ رائے پور)

(۳) حضرت مولانا سید وقار علی دھام پوریؒ (استاذ اعلیٰ مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور)

(۴) حضرت علامہ رفیق احمد صاحبؒ (شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارن پور)

(۵) حضرت علامہ محمد یامین سہارن پوریؒ (ناظم تعلیمات مدررسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور)

(۶) حضرت مولانا مفتی مجد القدوس خبیب رومی (مفتی مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور)

(۷) حضرت مولانا سید نجم الحسن تھانوی (ناظم مدرسہ امداد العلوم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون)

(۸) حضرت مولانا مفتی مظفر الاسلام تھانوی (امام عیدگاہ تھانہ بھون)

(۹) حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیریؒ (شیخ الحدیث دارالعلوم (وقف) دیوبند)

(۱۰) حضرت مولانا مفتی خورشید عالم دیوبندیؒ (مفتی دارالعلوم (وقف) دیوبند)

(۱۱) حضرت مولانا مفتی عمران صاحب (نائب مفتی دارالعلوم (وقف) دیوبند)

(۱۲) حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن جامیؒ (مفتی مدرسہ وصیۃ العلوم خانقاہ الہ آباد)

(۱۳) حضرت مولانا محمد فاروق صاحبؒ (مفتی جامعہ فاروقیہ، اتراؤں، الہ آباد)

(۱۴) حضرت مولانا قمر الزماں صاحب (صدر مدرس مدرسہ بیت المعارف الہ آباد)

(۱۵) حضرت مولانا عمار الحسن صاحب (مہتمم مدرسہ افضل المعارف، الہ آباد)

(۱۶) حضرت مولانا نسیم احمد غازی بجنوریؒ (شیخ الحدیث جامع الہدیٰ مراد آباد)

(۱۷) حضرت مولانا عثمان غنی صاحبؒ (شیخ الحدیث تارہ پور گجرات)

(۱۸) حضرت مولانا محمد حسن صاحب (صدر مدرس مدرسہ افضل المعارف الہ آباد)

(۱۹) حضرت مولانا اطہر حسین اجراڑویؒ (استاذ ادب وفقہ مظاہر علوم سہارن پور)

(۲۰) حضرت مولانا محمد حنیف صاحب جون پوریؒ (صدر مفتی وشیخ الحدیث ریاض العلوم جون پور)

آخر الذکر ہر دو حضرات نے مستقل جوابات تحریر فرمائے تھے، جن کا ماحصل یہی تھا کہ تصریحات فقہیہ حنفیہ کی روشنی میں یہ امر واضح ہے کہ امیر اور قاضی دونوں ہی کے لیے قوت تنفیذ اور قدرت علی الاحکام لازم وضروری ہیں، اس کے بغیر نہ امیر امیر شرعی ہو سکتا ہے اور نہ قاضی قاضیِ شرعی۔!

حضرت مولانا مفتی مظفر حسین اجراڑویؒ (خلف صدق حضرت مفتی سعید احمد اجراڑویؒ) نے فرمایا تھا کہ ان حضرات نے تحکیم کے دلائل کو قضاء پر منطبق کر دیا ہے اور حضرت مفتی عبدالعزیز رائے پوریؒ (مجازِ طریقت حضرت مولانا ابوالحسن علی میاںؒ) فرمایا کرتے تھے کہ امارت شرعیہ بہار کے تحت دارالقضاء کے قاضی کی شرعی حیثیت نہیں ہے، **لا يعبأ به، لأن المفتي مخبر بالحكم والقاضي ملزم به** مسلم ہے۔!

تراضیٔ مسلمین سے جو قاضی ہوتا ہے
وہ شرعی قاضی شمار نہیں ہوتا!

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ
شیخ الحدیث مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور

شرعی قاضی کے لیے بھی از خود یا بواسطہ امیر قوت تنفیذ ضروری شرط معلوم ہوتی ہے، غیر قادر علی التنفیذ قاضی ان احکام کا فیصلہ نہیں کرسکتا جن میں قضائے قاضی شرط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً آٹھ سال سے بار بار قاضی بل کی مساعی جاری ہیں اور وہ بار آور نہیں ہوتیں، اس سے کون شخص انکار کرسکتا ہے کہ حضرت گنگوہیؒ کے حکم کے بعد گنگوہ میں حضرت شیخ الہندؒ کے ارشاد سے دیوبند میں حضرت سہارن پوریؒ کی (تجویز سے) سہارنپور میں، حضرت تھانویؒ کے حکم سے تھانہ بھون میں کوئی بھی ان کی حیثیت سے انکار نہیں کرسکتا تھا؛ لیکن ان حضرات نے کہیں بھی بتراضیٔ مسلمین مواقع مذکورہ میں قاضی مقرر نہیں کیا؛ بل کہ بار بار حکومت سے تجویز قاضی کا مطالبہ کرتے رہے، اسی وجہ سے حیلۂ ناجزہ کی تالیف ہوئی جس کی ابتدائی تحریک خود حضرت مدنی کی طرف سے ہے کہ فقہ مالکی میں بعض مسائل میں جماعت مسلمین کو کافی قرار دیا گیا تھا؛ اس لیے اس کو اختیار کرنا پڑا، اگر غیر قادر قاضی کافی ہوتا تو اس مخمصہ کی ضرورت نہ تھی، فقہاء کی نصوص سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۱) ”قال السرخسي ان الحكم بالعدل و دفع الظلم عن المظلوم من باب الامر بالمعروف و النهى عن المنكر و ذلک فرض على کل مسلم إلا ان من کان من الرعية فهو غير متمكن من الزام ذلک فإذا تمكن من ذلک بقوة من قلده کان عليه أن يحكم بما هو فرض عليه سواء کان من قلده باغيا أو عادلا فان شرط التقليد التمكن و قد حصل“۔ (مبسوط: صفحہ ۱۳۰ ج ۱۰)

(۲) ”قال ملک العلماء ان نصب الإمام الأعظم فرض بلا خلاف بين أهل الحق.................. و معلوم أنه لا يمكنه القيام بما نصب له بنفسه فيحتاج إلى نائب يقوم مقامه في ذلک و هو القاضي........... فكان نصب القاضي من ضرورات نصب الإمام فكان فرضاً“۔ (بدائع ص ۷ ج ۲)

(۳) ”قال ابن رشد و توليته أي الإمام الأعظم للقاضي شرط في صحة قضائه لا خلاف اعرف فيه“۔ (بدایہ: ص ۳۸۲ ج ۲)

تراضی مسلمین سے جو قاضی ہوتا ہے وہ شرعی قاضی شمار نہیں ہوتا۔

”إذا اجتمع أهل بلدة على رجل و جعلوه قاضياً يقضى فيما بينهم لا يصير قاضياً و لو اجتمعوا على رجل و عقدوا معه عقد السلطنة أو عقد الخلافة يصير سلطانا“۔ (عالمگیری مصری: صفحہ ۳۸۴ ج ۳)

”اجتمع أهل بلدة و قلدوا القضاء لرجل لا يجوز و لا يصير قاضيا و لو اجتمعوا و جعلوا الرجل سلطانا يصح لأن فيه ضرورة و لا ضرورة في الأوّل“۔ (خلاصۃ الفتاویٰ: صفحہ ۴ ج ۲)

”أهل البلدة تبايعوا علىٰ سلطنته أحد يصير سلطاناً بخلاف القاضي

لضرورة في الأول لا في الثاني"۔ (جامع الفصولین: صفحہ ۱۴ ج ۱)

"وفي الدر المختار يجوز تقلد القضاء من السلطان العادل و الجائر و لو كان كافراً قال ابن عابدين هذا ظاهر في اختصاص تولية القضاء بالسلطان و نحوه كالخليفة حتى لو اجتمع أهل بلدة على تولية واحد القضاء لم يصح بخلاف مالو و لو اسلطانا بعد موت سلطانهم كما في البزازية (نهر) و تمامه فيه قلت و هذا حيث لا ضرورة و الا فلهم تولية القاضي أيضا كما يأتي بعده۔ اھ

(شامی: صفحہ ۳۴۲ ج ۴)

(ماخوذ از باب سوم و چہارم امارت شرعیہ کی حقیقت و اہمیت اور اس کے اصول و قوانین، معارف شیخ حصہ اول، ۱۹۴۵ء)

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالمَعرُوف

(عورتوں کے ساتھ شرعی تعلیم کے موافق رہو)

اس آیت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ شریعت اِسلامی میں عورتوں کے ساتھ رہنے کے لیے بھی کچھ تعلیمات ہیں، اُن تعلیمات سے کچھ عورتوں کے حقوق ثابت ہوں گے اور آیت میں خطاب مردوں کو ہے؛ لہٰذا حقوق نسواں کا تحفظ مردوں کے ذمہ ہوا۔

بنابریں عورتوں کے بعض حقوق کے متعلق بعض ہمدردانِ قوم اور ممبرانِ کونسل نے یہ شائع کیا ہے۔

علمائے ہند کا متفقہ فتویٰ

جس پر متحدہ ہندوستان کے اکابر علمائے اسلام کی قریب ڈیڑھ سو تصدیقات ہیں اور صدر جمعیۃ العلماء ہند کی زوردار تصدیق بھی ہے اور علمائے ہند میں سے کسی کو اس سے اختلاف نہیں، اس میں گورنمنٹ برطانیہ سے درخواست کی گئی تھی کہ اُن حقوق کا تحفظ حسب فتویٰ کیا جائے اور ہزاروں بلاؤں سے جس میں مسلم خواتین مبتلا ہیں نجات کی صورت پیدا کی جائے۔ (شائع شدہ: جمادی الثانیہ ۱۳۴۷ھ مطابق نومبر ۱۹۲۸ء)

آج کل ہر چار طرف تحفظِ حقوق کا غل مچا ہوا ہے اس کو دیکھتے ہوئے بعض سچے ہمدردانِ قوم نے مسلم عورت کے دینی حقوق کے تحفظ کی ہمت کی اور علماء سے ایک فتویٰ حاصل کیا جو درج کتاب ہذا ہے، اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ طلاق و نکاح و نسب کے بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں مسلم عورت کے فیصلے مسلم حکام کے محتاج ہیں، معدودے چند کو بطور نمونہ اس فتوے میں ظاہر کیا گیا ہے، ان میں غیر مسلم حکام کے فیصلے مسلم جماعت کے لیے غیر نافذ اور نا قابلِ عمل ہیں؛ لہٰذا گورنمنٹ سے احتجاج کیا گیا ہے کہ ایسے مقدمات کو فیصل کرنے کے لیے مسلم حکام مقرر فرماوے جیسا کہ ۱۸۵۷ء سے قبل گورنمنٹ کا طرزِ عمل تھا اور جیسا کہ خود گورنمنٹ نے بمقام سیلون اس کو منظور فرمالیا ہے، اس احتجاج کے واسطے سب سے پہلے اب سے چند سال قبل عالی جناب آنریبل حاجی وجیہ الدین صاحب آمادہ ہوئے اور آپ نے اس کے لیے باقاعدہ کاغذات اور علماء کی

تصدیقات اور لوکل گورنمنٹوں کی تائیدیں سب سامان مہیا فرمالیا؛ مگر مسلم جماعت کی بدقسمتی کہ ممدوح کا زمانہ آنریبلی ختم ہوگیا اور زمانہ دگرگونہ آئین نہاد کا ظہور ہوا اور سب کام پر مٹی پڑ گئی اب دوبارہ اس کے لیے عالی جناب حاجی حافظ محمد جمشید علی خاں صاحب ایم۔ ایل۔سی۔نواب، باغپت، دام اقبالہ نے ہمت فرمائی ہے، حاجی وجیہ الدین صاحب ممدوح نے کل کاغذات نواب صاحب کے حوالے فرمادیے اور نہایت اخلاص کے ساتھ اس کی تائید میں کمر بستہ ہیں۔

ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کام ایک شخص کے کرنے کا نہیں ہے،فتوے کو پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ یہ کام کس قدر ضروری ہے اور ہر مسلمان پر اس کی اعانت واجب ہے، دامے درمے قدمے جس قسم کی اعانت جس سے ہوسکے اس کو بہ موجب آیت مندرجہ سرنامہ ضروری سمجھیں، اہلِ قلم اخباروں میں اس کا اعلان کافی طور پر کریں اور واعظ صاحبان اس کی ضرورت عامۂ مسلمین کو تقریر سے سمجھادیں اور اہلِ خیر مالی امداد دیں۔اور ممبرانِ کونسل سے ہم بالخصوص التماس کرتے ہیں کہ اس میں نواب صاحب کا ہاتھ بٹاویں۔

وماعلینا الا البلاغ!

سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل بعض مسلمان ممبران کونسل گورنمنٹ سے یہ درخواست کرنے والے ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے منصب قضا قائم کردیا جائے اس کے متعلق چند امور دریافت طلب ہیں:

(۱) کیا شرعاً مسلمانوں کے لیے نصبِ قاضی ضروری ہے؟

(۲) قاضی کی تعریف کیا ہے اور کون شخص قاضی بن سکتا ہے؟

(۳) کن کن معاملات میں قاضی کی ضرورت ہے؟

(۴) جن معاملات میں قاضی کی ضرورت ہے ان میں حاکم غیر مسلم کا فیصلہ معتبر ہے یا نہیں؟

(۵) اگر کسی جگہ کے مسلمان بطور خود اتفاق کرکے فسخ نکاح وغیرہ کے لیے کسی کو قاضی بنالیں تو وہ قاضی شرعی ہوگا یا نہیں اور اس کے فیصلے ان معاملات میں-جن میں قاضی کی ضرورت ہے-معتبر ہوں گے یا نہیں؟۔

(۶) اگر گورنمنٹ اپنی طرف سے ہندوستان میں کسی مسلمان کو فسخ نکاح وغیرہ کے لیے قاضی بنادے تو وہ قاضی شرع ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اس کے فیصلے فسخ نکاح وغیرہ میں معتبر ہوں گے یا نہیں؟

(۷) مسلم ممبران کونسل جو درخواست نصبِ قاضی کے متعلق کونسل میں پیش کرنے والے ہیں اس میں عامۂ مسلمین کو ان کے ساتھ اتفاق کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور اس معاملہ میں ہم کو کوشش کرنا چاہیے یا نہیں؟

سائل: حاجی عزیز الرحمان رئیس قصبہ: اینچولی، میرٹھ

الجواب:

(۱) قاضی شرعی یعنی حاکم مسلم کا قائم کرنا مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے، جہاں قدرت ہو جیسے دارالاسلام اور جہاں قدرت نہ ہو جیسے ہندوستان تو وہاں حکومت سے اس کے متعلق درخواست کرنا ضروری ہے۔

(۱) قال في البدائع: "فنصب القاضي فرض؛ لأنه ينصب لإقامة مفروضٍ وهو القضاء، قال الله- سبحانه وتعالیٰ- لنبيّنا المكرم عليه- أفضل الصّلاة والسلام-: (فاحكم بينهم بما أنزل الله) والقضاء: هو الحكم بين الناس بالحق والحكم بما أنزل الله عز وجل، فكان نصب القاضي لإقامة الفرض فكان فرضاً ضرورة، وقد سمّاه محمد علیہ الرحمۃ فريضة محكمة؛ لأنه لايحتمل الانساخ والله تعالیٰ أعلم"۔ اھ۔ ملخصاً (صفحہ ۷ ج ۲)

(۲) في العالمگيرية: "والقضاء في الشرع قول ملزم يصدر عن ولاية عامة كذا في خزانة المفتيين۔ ولاتصح ولاية القاضي حتی يجتمع في المولیّ شرائط الشهادة- كذا في الهداية- من الإسلام والتكليف والحرية وكونه غير أعمیٰ ولامحدوداً في القذف ولاأصم ولاأخرس، وأما الأطرش الذي يسمع القویّ من الأصوات فالأصح جواز توليته كذا في النهر۔ اھ (صفحہ ۱۶۰ ج ۴)

و في الدر المختار: "القضاء شرعاً: فصل الخصومات و قطع المنازعات۔ وأركانه ستة: حكم، ومحكوم به، وله، ومحكوم عليه، وحاكم، و طريق۔ وأهله أهل الشهادة، والفاسق أهلها فيكون أهله؛ لكنه لايقلِّد وجوبًا و يأثم مقلِّده كقابل شهادة به يفتی"۔ اھ (صفحہ ۴۶۴ ج ۴)

(۱) بدائع میں بیان کیا ہے کہ: قاضی کا مقرر کرنا فرض ہے؛ اس لیے کہ قاضی ایک فرض امر (یعنی) قضاء کے لیے مقرر کیا جاتا ہے، حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد فرمایا: کہ لوگوں میں ان احکام سے فیصلہ کیجیے جو خدا تعالیٰ نے نازل فرمائے، اور قضاء لوگوں میں حق بات اور ما أنزل الله کا امر کرنا ہے، پس قاضی کا مقرر کرنا بغرض اقامت فرض ہے؛ اس لیے فرض ہے، اور (امام) محمدؒ نے تو نصبِ قاضی کو فرض محکم فرمایا ہے، جو نسخ کو بھی محتمل نہیں؛ کیوں کہ ان احکام سے ہے جن کا ضروری ہونا عقل سے (بھی) معلوم ہوا اور احکامِ عقلیہ محتمل نسخ ہوتے نہیں۔

(۲) عالمگیری میں ہے: شریعت میں قضا ایک ایسا قولِ ملزم ہے، جو صادر ہوتا ہے (ایسے شخص سے جس کو) ولایت عامہ ہو، اسی طرح ''خزانۃ المفتیین'' میں ہے۔ اور قاضی کی ولایت اس وقت تک صحیح نہ ہوگی تاوقتیکہ اس میں شہادت کے شرائط نہ موجود ہوں، اسی طرح ہدایہ میں ہے، (۱) اسلام (۲) مکلف ہونا (۳) آزاد ہونا (۴) نابینا نہ ہونا (۵) تہمتِ زنا میں سزا یافتہ نہ ہونا (۶) اور گونگا، بہرا نہ ہونا؛ لیکن وہ بہرا جو زور کی آوازوں کو سن سکتا ہو، اصح مذہب یہ ہے کہ اس کی تولیت جائز ہے۔

(۳) اور درِّ مختار میں ہے: قضا شرع میں خصومات ومنازعات کے طے کرنے اور فیصلہ کرنے کا نام ہے، اور اس کے چھ ارکان ہیں: (۱) حکم (۲) محکوم بہ (۳) اور محکوم لہ (یعنی) مدعی (۴) اور محکوم علیہ (یعنی مدعا علیہ) (۵) اور حاکم اور قضاء کا طریق۔ اور قضاء کے اہل، اہلِ شہادت ہیں، اور فاسق شہادت کا اہل ہے تو قضاء کا بھی اہل ہوگا (یعنی اگر قاضی بنا دیا جاوے تو اس کا حکم نافذ ہو جاوے گا)؛ لیکن واجب ہے کہ فاسق کو قاضی نہ بنایا جاوے اور بنانے والا گنہ گار ہوگا، جیسے فاسق کی شہادت قبول کرنے والا''۔

اس سے معلوم ہوا کہ قاضی یعنی حاکم مسلم کے لیے صاحبِ حکومت ہونا رکن قضا ہے کہ جس مقام پر وہ قضا کرتا ہے وہاں پر اس کی ولایت اور حکومت عام ہو (گو کسی خاص فرقہ ہی پر ہو) اور گو خاص خاص معاملات میں ہی ہو۔

قال في رد المحتار: "ثم القاضي تتقيد ولايته بالزمان والمكان والحوادث"۔ اھ (صفحہ ۴۶۲ ج ۶)

ردمحتار میں کہا کہ: "قاضی کی ولایت زمان ومکان وحوادث کے ساتھ مقید ہوتی ہے"۔

غیر صاحبِ حکومت قاضی نہ ہوگا اور صحتِ قضا کے لیے قاضی میں ان اوصاف کا ہونا ضروری ہے، مسلمان ہو، کافر نہ ہو، عاقل بالغ ہو، آزاد ہو، غلام نہ ہو، سوانکھا ہو اندھا نہ ہو، محدود فی القذف نہ ہو اور بہرا، گونگا نہ ہو، باقی اونچا سنتا ہو تو اس کا مضائقہ نہیں، اور ضروری ہے کہ قاضی عالم بھی ہو، اگر مسلمان کو جو جاہل ہے قاضی بنا دیا جائے اور وہ مقدمات میں علماء سے استفتاء کر کے فیصلہ کر دے یہ بھی ممکن ہے؛ مگر بہتر نہیں؛ کیوں کہ علماء کے جواب کو بخوبی سمجھنے میں جاہل سے کوتاہی ہوگی اور غلطی کرے گا، اور عالم کے ہوتے ہوئے جاہل کو قاضی بنا لینے سے مسلمان گناہ گار ہوں گے، جب کہ حکومت کی طرف سے ان کو انتخاب کا حق دیا جاوے، اور اگر فاسق کو قاضی بنا دیا جائے تو وہ قاضی ہو جاوے گا؛ مگر فاسق کو قاضی بنانا جائز نہیں، اور فاسق وہ ہے جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور توبہ نہ کرے یا صغیرہ پر اصرار کرتا ہو، باقی جن مسائل میں قضائے قاضی یعنی حاکم مسلم کا ہونا شرط ہے- جن کا ذکر آتا ہے- ایسے مسائل میں حاکم کافر کا فیصلہ ہرگز کافی نہیں، حاکم کافر کے فیصلہ سے نہ نکاح فسخ ہو سکتا ہے، نہ طلاق واقع ہو سکتی ہے، نہ ثبوتِ نسب ہو سکتا ہے، نہ مفقود کو میت کہا جا سکتا ہے، وغیر ذالک!

(۳و۴) شریعتِ محمدیہ اور ملتِ اسلامیہ میں بعض معاملات ایسے ہیں جن میں قاضی شرعی یعنی حاکم مسلم کا فیصلہ معاملہ کو فیصل کرسکتا ہے، حاکم غیر مسلم کا فیصلہ ان معاملات میں کسی درجہ میں مفید نہیں ہوسکتا؛ بل کہ شرعاً حاکم غیر مسلم کا فیصلہ ان معاملات میں کالعدم اور غیر قابل اعتبار ہے، نمونہ کے لیے چند مسائل کا ذکر کرتا ہوں، جن مین مسلمانانِ ہند کو قاضی شرعی یعنی حاکم مسلم کی سخت ضرورت پڑتی ہے۔

(الف) کسی لڑکی کا نکاح بلوغ سے پہلے اس کے ولی نے- جو باپ دادا کے سوا ہو- کردیا اور بالغ ہونے پر لڑکی اس نکاح سے راضی نہیں، تو اس نکاح کو قاضی شرعی یعنی حاکم مسلم چند شرائط کے ساتھ فسخ کرسکتا ہے، حاکم غیر مسلم اگر فسخ کرے گا تو وہ فسخ معتبر نہ ہوگا۔
(شامی مع درمختار: صفحہ ۴۸۶ ج ۲، ہدایہ صفحہ ۲۹۷ ج ۱)

(ب) کسی بالغ عورت نے اپنا نکاح خاندانی مہر سے کم مقدار پر یا کسی غیر کفو سے بدوں رضائے ولی کے خود کرلیا، تو اصل مذہب میں خاندان والوں کو حق دیا گیا ہے کہ وہ قاضی یعنی حاکم مسلم کی عدالت میں دعویٰ کرکے پہلی صورت میں مہر پورا کرالیں، اور دوسری صورت میں نکاح فسخ کرادیں۔ (شامی مع درمختار: صفحہ ۲۸۶ / ۲۵۳)

فسخ کرنا قاضی ہی کا یعنی حاکم مسلم کا کام ہے، دوسرے کا نہیں۔

(ج) کسی شخص نے اپنے بیٹے کی بیوی سے زنا کیا یا بدنیتی سے ہاتھ لگایا تو یہ عورت اپنے شوہر کے لیے حلال نہیں رہی؛ مگر نکاح اس وقت تک نہیں ٹوٹتا جب تک قاضی یعنی حاکم مسلم نکاح کو فسخ نہ کردے یا زوجین خود قطع تعلق نہ کردیں، اور آج کل بعض دفعہ شوہر قطع تعلق نہیں کرتا تو بدوں قاضی شرعی یعنی حاکم مسلم کے ایسی عورت کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ (شامی معہ درمختار: صفحہ ۴۶۳ ج ۲)

(د) شوہر نامرد ہو اور بیوی کو طلاق بھی نہ دیتا ہو تو اس نکاح کو ایک سال کی مہلت دینے کے بعد قاضی یعنی حاکم مسلم ہی فسخ کرسکتا ہے۔ (عالمگیری: صفحہ ۱۵۷ ج ۲) بدوں قاضی یعنی حاکم مسلم کے ایسی صورت میں عنین کی بیوی کو سخت مصیبت کا سامنا ہے۔

(ہ) اسی طرح شوہر مجنون ہو جائے تو اس کے نکاح کو بھی قاضی یعنی حاکم مسلم ہی فسخ کرسکتا ہے۔ (عالمگیری: صفحہ ۱۵۷ ج ۱)

(و) کسی عورت کا خاوند لاپتہ ہو جائے تو اس کی بیوی کو ایک خاص مدّت کے بعد۔ جس کی تحقیق کتب مذہب میں ہے۔ قاضی شرعی یعنی حاکم مسلم ہی مفقود کے نکاح سے خارج کرسکتا ہے۔ (عالمگیری: صفحہ ۱۷۶ ج ۳)

(ز) اگر شوہر کسی وقت اپنی بیوی کو زنا سے متہم کرے یا اس کی اولاد کو غیر مرد کی بتلاوے تو عورت عدالتِ قاضی میں یعنی حاکم مسلم کی عدالت میں مرافعہ کر کے لعان کرسکتی اور اپنی ہتک حرمت کا بدلہ لے سکتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو شوہر کو۔ اگر وہ جھوٹا ہوا۔ اس تہمت کی سزا ملے گی یا نکاح فسخ کرادیا جائے گا۔ (عالمگیری: صفحہ ۱۵۱، ۱۵۲ ج ۲)

(ح) اگر کسی نابالغ لڑکی کا کوئی ولی نہ ہو اور پرورش کے لیے جلدی نکاح کرنے کی ضرورت ہو تو ایسی لاوارث لڑکیوں کا ولی قاضی یعنی حاکم مسلم ہے۔ (عالمگیری: صفحہ ۱۱) بدوں قاضی شرعی یعنی حاکم مسلم کے بغیر ان مسائل میں مسلمانانِ ہند کو بڑی دقت کا سامنا ہوتا ہے، ہم نے مدارس عربیہ میں ایسے سوالات کے جوابات میں علماء کو یہی لکھتے ہوئے دیکھا ہے کہ اگر قاضی شرعی یعنی حاکم مسلم مفقود کی موت کا حکم کردے یا عنین کا نکاح فسخ کردے تو عورت دوسرے مرد سے نکاح کرسکتی ہے، اور قاضی شرعی نہ ہو یعنی حاکم مسلم نہ ہو تو عورت کو بجز صبر کچھ چارہ نہیں۔

(ط) اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے کر یہ دعویٰ کرے کہ میں نے ہوش وحواس کی حالت میں طلاق نہیں دی؛ بل کہ میں مدہوش یا مغلوب الغضب تھا، تو اس صورت میں عورت کو شوہر کے اس قول کی تصدیق جائز نہیں؛ بل کہ اس مقدمہ کا مرافعہ قاضی یعنی حاکم مسلم کی عدالت میں لازم ہے، اگر وہ اس طلاق کو طلاق تسلیم نہ کرے- جس کے خاص شرائط ہیں- تب تو عورت شوہر کے پاس رہ سکتی ہے ورنہ نہیں رہ سکتی۔

(شامی مع الدر باب طلاق المدہوش: ج ۲)

(ی) کسی نے نکاح فاسد کرلیا تو اس نکاح کو قاضی یعنی حاکم مسلم فسخ کر سکتا ہے، یا شوہر بیوی کو خود چھوڑ دے (عالمگیری: صفحہ ۴۰)، اور اگر وہ نہ چھوڑے تو بدوں قاضی یعنی حاکم مسلم کے عورتوں کو اس حالت میں سخت مصیبت کا سامنا ہے۔

یہ چند مسائل صرف باب نکاح کے بطور نمونہ کے عرض کیے گئے ہیں، باقی ابواب نسب، وقف ومیراث وغیرہ میں جو مسائل قاضی شرعی یعنی حاکم مسلم کے وجود پر موقوف ہیں وہ اس سے زیادہ ہیں، جن میں بدوں قاضی کے یعنی حاکم مسلم کے مسلمانانِ ہند کو سخت تکلیف ہے اور اس تکلیف کو وہ بدوں گورنمنٹ کے امداد کے حل نہیں کر سکتے؛ کیوں کہ قاضی یعنی حاکم کے لیے مسلم ہونے کے ساتھ صاحبِ حکومت بھی ہونا ضروری ہے، اگر کسی جگہ کے مسلمان ازخود کسی کو قاضی بنانا چاہیں تو وہ قاضی نہ ہوگا محض حکم اور ثالث ہوگا، جس کا فیصلہ اُسی وقت مفید ہوسکتا ہے جب کہ مدعی ومدعا علیہ دونوں اپنا معاملہ اس کے سپرد کریں، اور اگر ایک فریق سپرد کرنا چاہے اور دوسرا نہ کرنا چاہے تو اس صورت میں ثالث اور حکم کا فیصلہ کسی درجہ میں معتبر نہیں۔

قال في العالمگيرية: "والقضاء في الشرعِ قول ملزم يصدر عن ولاية

عامة ولاتصح ولاية القاضي حتى يجتمع في المولٰی شرائط الشهادة- كذا في الهداية-من الإسلام والتكليف والحرية"۔ الخ (صفحہ ۱۶۰ج ۴)

وفيها أيضًا: "وإذا اجتمع أهل بلدة على رجل وجعلوه قاضياً يقضی فيما بينهم لايصير قاضياً" الخ۔ (صفحہ ۱۶۰ج ۴)

(نمبر ۴) عالمگیری میں ہے: شریعت میں قضاء ایسے قول واجب العمل کا نام ہے جس کا صدور ولایت عامہ سے ہو، اور قاضی کی ولایت صحیح نہیں ہوتی جب تک کہ اس میں شہادت کے شرائط موجود نہ ہوں جیسا کہ "ہدایہ" میں ہے: (۱) اسلام (۲) تکلیف (۳) اور حریت۔ (ہدایہ: صفحہ ۱۶۰ج ۴)

اسی "عالمگیری" میں ہے: جب ایک شہر والے کسی آدمی پر متفق ہوکر اسے قاضی بنالیں جوان کے درمیان فیصلہ کرے تو اس کارروائی سے قاضی نہیں بنتا۔

ان عبارات میں تصریح ہے کہ قاضی کے لیے مسلم ہونا، صاحبِ حکومت ہونا شرط ہے اور یہ کہ کسی جگہ کے مسلمان ازخود کسی کو قاضی بنالیں تو وہ قاضی نہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ صاحبِ حکومت قاضی وہی ہوسکتا ہے جو سلطنت کی طرف سے مقرر کیا جائے؛ اس لیے گورنمنٹ کی امداد کے اس مسئلہ میں مسلمانانِ ہند سخت محتاج ہیں؛ کیوں کہ بدوں قاضی یعنی حاکم مسلم کے بعض مسائل میں ان کا دین برباد ہوتا ہے اور غیر مسلم حکام کا فیصلہ ان مسائل میں جو قضائے قاضی یعنی حاکم مسلم کے فیصلہ کے محتاج ہیں محض بےکار اور کالعدم ہے؛ اس لیے مسلمانوں کو پوری مستعدی کے ساتھ گورنمنٹ سے درخواست کرنا چاہیے کہ وہ ہندوستان میں منصبِ قضاء کو قائم کرکے اپنی مسلم رعایا کو ان مشکلات سے نجات دے اور جب تک منصب قضا کی تجویز مکمل ہو اس وقت تک کے لیے کم ازکم یہی قانون کردیا

جائے کہ جو مسائل قضائے قاضی کے محتاج ہیں ان کا فیصلہ غیر مسلم حکام نہ کریں؛ بل کہ ایسے مقدمات مسلم حکام ہی کے سپرد ہوں اور مسلم حکام کو ہدایت کی جائے کہ ان مسائل میں علماء سے صورت مقدمہ بیان کر کے شرعی حکم حاصل کریں اور شرعی فتوے کے مطابق مقدمہ کا فیصلہ کردیں اور اپنے فیصلہ کے ساتھ عالم کے فتویٰ کو بھی نتھی کردیں جیسا کہ تقسیمِ میراث وترکہ کے مقدمات میں بھی ایسا ہی کیا جاتا ہے، اگر یہ صورت بھی ہو جائے تو مسلمانانِ ہند کی مشکلات میں کچھ کمی ہو جائے گی۔ ہمیں قوی اُمید ہے کہ گورنمنٹ ہماری اس درخواست پر ضرور توجہ کرے گی اور اپنی مسلم رعایا کو شکر و امتنان کا موقع دے گی۔

والله المستعان في كلِّ باب هو الميسر لكل صعاب!

قال في الدرالمختار: ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كان كافرا ذكره "مسكين" وغيره، إلا إذا كان يمنعه عن القضاء بالحق فيحرم۔ اھ (صفحہ ۴۶۸ ج ۴)

وفي العالمگيرية: والإسلام ليس بشرط أي في السلطان الذي يقلد كذافي التاتار خانيه۔ اھ (صفحہ ۱۶۰ ج ۴)

(نمبر ۵) ''درمختار'' میں ہے: عہدۂ قضاء کا عادل بادشاہ اور ظالم دونوں سے قبول کرنا جائز ہے؛ اگرچہ وہ کافر کیوں نہ ہو، ملا مسکین وغیرہ نے (صراحۃً) ذکر کیا ہے؛ مگر جب کہ وہ بادشاہ اس کو حق پر قضا کرنے سے روکے تب وہ عہدہ حرام ہے۔ (صفحہ ۴۶۸ ج ۴)

''عالمگیری'' میں ہے: کہ اسلام شرط نہیں اس بادشاہ کے اندر جو کسی کو قاضی بنائے۔ (صفحہ ۱۶۰ ج ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان میں اگر گورنمنٹ اپنی طرف سے کسی مسلمان کو

قاضی بنادے اور جن مسائل میں قضائے قاضی یعنی مسلم حاکم کے فیصلہ کی ضرورت ہے ان میں اس کو فیصلہ کا اختیار دیدے تو وہ شرعی قاضی ہوجائے گا اور اس کے فیصلے فسخ نکاح وایقاع طلاق وثبوتِ نسب وحکم موتِ مفقود وغیرہ میں نافذ ہوں گے، بشرطیکہ اس کو موافق حکم شرع فیصلہ کرنے کا اختیار دیا جائے، خلافِ حکمِ شرع فیصلہ پر مجبور نہ کیا جائے۔

قال في العالمگيرية: ”وإذا اجتمع أهل بلدة على رجل وجعلوه قاضياً يقضي فيما بينهم لا يصير قاضياً“۔ (صفحہ ۱۶۴ ج ۴)

”عالمگیری“ میں ہے: ”جب ایک شہر والے کسی شخص پر متفق ہوں اور اس کو اپنے مابین قضاء کے لیے قاضی بنالیں تو اس سے قاضی نہیں بنتا“۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان میں کسی جگہ کے مسلمان بطور خود بدوں گورنمنٹ کی اجازت کے اگر کسی کو قاضی بنالیں تو وہ قاضی نہ ہوگا؛ کیوں کہ اس کی ولایت عامہ نہ ہوگی؛ البتہ حکَم ہوجائے گا جس کا فیصلہ اسی وقت معتبر ہوگا جب کہ مدعی ومدعا علیہ دونوں رضامندی سے اپنے معاملہ کو اس کے سپرد کردیں اور اگر ایک نے سپرد کیا اور دوسرے نے سپرد نہ کیا تو اس صورت میں حکَم کا فیصلہ کالعدم ہے اور فریقین باہمی رضامندی سے اگر کسی کو حاکم بنالیں اور وہ موافقِ حکمِ شرع فیصلہ کردے تو اسے بھی فسخ نکاح وغیرہ کا اختیار ہوگا اور اس کے فسخ سے بھی نکاح فسخ ہوجائے گا یعنی جب معاملہ سپرد کردیا گیا اور فیصلہ تک تحکیم سے کسی فریق نے رجوع نہ کیا تو اب حکَم کا فیصلہ بھی مثل فیصلۂ قاضی کے لازم ونافذ ہوجائے گا، پھر کوئی فریق اس کو توڑ نہیں سکتا، بشرطیکہ فیصلہ موافق حکم شرع ہو۔

قال الشامي: ”أما المحكّم فشرطه أهلية القضاء ويقضي فيما سوى الحدود والقصاص“۔ اھ (صفحہ ۶۴۲ ج ۴)

وفيه أيضاً: ”التحكيم عرفاً: تولية الخصمين حاكماً يحكم بينهما ببيّنة أو إقرار أونكول ورضيا بحكمه إلى أن حكم احتراز عما لو رجعا عن تحكيمه قبل الحكم أو عما لو رضى أحدهما فقط (شامی)۔ صح لو في غير حدّ وقود ودية على عاقلة لأن حكم المحكم بمنزلة الصلح، وهذا لاتجوز بالصلح فلا تجوز بالتحكيم، وينفرد أحدهما بنقضه أي التحكيم بعد وقوعه فإن حكم لزمهما ولا يبطل حكمه بعزلهما لصدوره عن ولاية شرعية۔ اھ

(شامی: صفحہ ۵۴۰ ج ۴)

شامی میں ہے: حکَم کے لیے شرط ہے کہ وہ قضا کا اہل ہو ماسوا حدود اور قصاص میں قضا کرے، اِسی شامی میں ہے: سرپنچ بنانا مدعی اور مدعا علیہ کا کسی کو اپنے اوپر حاکم مان لینا ہے کہ وہ سرپنچ ان کے درمیان بیّنہ یا اقرار یا انکار کی بنا پر فیصلہ کرے اور وہ دونوں اس کے فیصلہ پر راضی ہوں، اگر اس سرپنچ کے فیصلہ کرنے سے پیشتر اس کے حکم ہونے سے رجوع کرلیں یا خالی ایک ہی راضی رہے ایک نہ رہے تو یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ شامی میں ہے حکَم کا فیصلہ حد اور قصاص اور دیت کے سوا نافذ ہوگا؛ کیوں کہ حکَم یعنی سرپنچ کا حکم بمنزلہ صلح کے ہوتا ہے، ان امور میں صلح جائز نہیں تو سرپنچ بنانا بھی جائز نہ ہوگا، اور اگر ایک شخص سرپنچی کو توڑ دے بعد تسلیم کر لینے کے تو اس سے سرپنچی ٹوٹ جائے گی؛ لیکن اگر نقض سے قبل اِس نے فیصلہ کر دیا تو فریقین پر لازم ہوگا اور اب ان کے معزول کرنے کی وجہ سے اس کا حکم باطل نہ ہوگا؛ کیوں کہ وہ حکم ولایت شرعیہ سے صادر ہوا۔

(۷) جب یہ معلوم ہو چکا کہ قاضی شرعی حاکم مسلم کا قائم کرنا مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے، اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ بعض معاملات میں حاکم غیر مسلم کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں؛ بل کہ حاکم مسلم کا فیصلہ ضروری ہے، تو عامۂ مسلمین پر ضروری ہے کہ وہ اپنی اس شرعی

ضرورت کو گورنمنٹ کے سامنے پیش کر کے درخواست کریں کہ ہندوستان میں منصبِ قضا کو قائم فرما کر اپنی مسلم رعایا کو مشکلات سے نجات دے؛ چوں کہ گورنمنٹ اپنی رعایا کی راحت رسانی اور بالخصوص مذہبی معاملات میں ہر طرح کی آسانی بہم پہونچانے کی ذمہ دار ہے، اس لیے قوی امید ہے کہ یہ درخواست منظور ہو گی۔

نیز جو مسلم ممبران کونسل اِس مسئلہ کو کونسل میں پیش کرنے والے ہیں ان کے ساتھ سب مسلمانوں کو اتفاقِ رائے ظاہر کرنا چاہیے اور ہر ضلع کے مسلمانوں کو اپنی طرف سے الگ الگ اس مسئلہ کی ضرورت ظاہر کرنا چاہیے؛ کیوں کہ گورنمنٹ کی طرف سے جو بے توجہی اب تک اس مسئلہ پر ہوئی ہے اس کا سبب صرف یہ ہے کہ اس کو ہنوز اس ضرورت کی اطلاع اہمیت کے ساتھ کسی نے نہیں کی، ضرورت پر مطلع ہو کر امید ہے کہ گورنمنٹ بہت جلد مسلمانوں کے حال پر توجہ فرمائے گی۔ فقط کتبہ الاحقر **عبدالکریم** گمتھلی کرنالی عفی عنہ

(۲) **ہوالموفق:** مسلمانوں کے ان منازعات باہمی رفع کرنے کے لیے- جن میں قاضی کا حکم کرنا شرائط سے ہے- قاضی (یعنی حاکم مسلم) کا مقرر کرنا نہایت ضروری ہے اور قاضی کے لیے ضروری ہے کہ صاحبِ حکومت ہو پس جس کو مسلمان باہمی اتفاق کے ساتھ قاضی بنائیں گے وہ قاضی نہ کہلائے گا، ہاں! گورنمنٹ کا مقرر کردہ حاکم مسلم، قاضی شرعی کے حکم میں ہو گا اور اس کے احکام شرعاً قابلِ نفاذ ہوں گے؛ لیکن چوں کہ قاضی بنائے جانے کا وہی اہل ہے جو شاہد بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، بدمذہب اگر مقرر کیا گیا تو وہ صحیح معنی میں قاضی نہ کہلائے گا، اس لیے نہایت ضروری ہے کہ اس کا انتخاب علمائے اہلِ سنت کے ہاتھ میں ہو؛ تا کہ وہ باہمی اتفاق کے ساتھ ایسے شخص کو پیش کر سکیں جو قاضی ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ **محمد مظہر اللہ** غفرلہ، امام مسجد فتحپوری، دہلی، ۲۳ ر صفر المظفر ۱۳۴۷ھ

(۳) **ہوالموفق:** ہندوستان میں نصبِ قاضی کا مسئلہ نہایت اہم ہے اور محکمۂ قضا قائم نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت سے مذہبی اور معاشرتی معاملات میں جو ہولناک مصائب پیش آرہے ہیں ان کا احصاء دشوار ہے، جوابوں میں نمونے کے طور پر چند شعبوں کا ذکر کیا گیا ہے، اب مسلمانوں کو گورنمنٹ سے پُرزور درخواست کرنے اور گورنمنٹ کی جانب سے اس کے منظور اور جاری کرنے میں مزید توقف کا ہرگز موقع باقی نہیں رہا، ہزاروں عورتوں کی جانیں خطرے میں ہیں جن کا علاج محکمۂ قضا کے سوا کوئی قطعی طور پر نہیں ہوسکتا۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرسہ امینیہ، دہلی، ۲۲رصفر المظفّر ۱۳۴۷ھ

(۴) مولانا کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ العلماء کی رائے گرامی سے مجھے کلی طور پر اتفاق ہے۔فقط

مناظر احسن گیلانی، پروفیسر کلیہ عثمانیہ حیدرآباد

(۵) میں بھی اس مضمون کی تصدیق وتوثیق کرتا ہوں۔

اشرف علی، ۳۰رصفر ۱۳۴۷ھ

(۶) جواب بالکل صحیح ہے، اور احقر اس بارہ میں مستقل رسالہ "**القول الماضي في نصب القاضي**" لکھ چکا ہے، جو قابلِ ملاحظہ ہے۔اشرف المطابع تھانہ بھون سے ملے گا۔فقط

ظفر احمد عفا اللہ عنہ، از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ، ۱۴ر ربیع الاول ۱۳۴۷ھ

(۷) **ہوالمصوّب!** محکمہ قضاء کی اہمیت بہت واضح ہوچکی ہے، اب گورنمنٹ سے اس کی منظوری حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کے واسطے کوئی گھڑی انتظار کی باقی

نہیں رہی ، بہتیرے ایسے مسائل ہیں جن کا حل محکمۂ قضا پر موقوف ہے، اور اس کے نہ ہونے کی وجہ سے اصلاحی صورتیں پائمال اور برباد ہورہی ہیں، اگر موجودہ حالت مسلسل رہی تو پھر خدا معلوم مسلمانوں میں کیا قیامت برپا ہوگی؛ اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان اس فریضہ مہتم بالشان کے لیے کمال جدوجہد سے کام لیں، نیز فاضل مجیب نے سوالات کو بوجہ احسن حل کر دیا ہے، اور محکمۂ قضا کی ضرورت کو بھی خوب واضح کر دیا ہے۔

عبدالرحمٰن، مدرّس دوم، مدرسہ نعمانیہ، امرت سر

(۸) محکمۂ قضا اسلام میں اہم الاہم ہے؛ لہٰذا گورنمنٹ اس امر کی طرف ضرور بالضرور توجہ مبذول کرے؛ ورنہ امور موقوفہ علی القضاء جیسے مسلمانوں کے منصب قضاء سے غفلت کی وجہ سے اب تک پائمال تھی، اب حکومت کی عدم توجہ کی وجہ سے رہیں گے، جو کہ رعایا پروری کے خلاف ہے۔ ھذا ھو الحق الصریح و ھو أحق الاتباع۔

عبدالکبیر۔ مدرس مدرسہ نور الحق امرتسر

(۹) ھذا ھو الحق و بالاتباع أحق۔

محمد یوسف امام و مدرس در مسجد بابو علی بخش امرتسر

(۱۰) **نور احمد** عفی عنہ

(۱۱) محکمۂ قضا کی ضرورت میں کسی کو کلام نہیں، اس کی اجراء میں بے شمار مصالح ہیں، نمونہ کے طور پر فاضل مجیب نے کچھ ظاہر فرما دیا ہے، اس میں کوشش کرنا بہت بڑا اجہاد ہے، اور اہلِ اسلام پر احسان ہے۔

انا احقر الزمن **محمد حسن** عفی عنہ

مدرس اول مدرسہ نعمانیہ واقع جامع مسجد خیر الدین مرحوم، امرتسر

(۱۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ أمّا بعد!

واقعی محکمۂ قضا کا قائم ہونا نہایت ضروری ہے اور مہتم بالشان امر ہے، بہت سے مسائل ضروریہ اور واقعات موجودہ کا فیصلہ قضا پر موقوف ہے؛ لہٰذا بہت ضرور ہے کہ سربرآوردگانِ اسلام گورنمنٹ عالیہ سے پُرزور درخواست کر کے اس کو منظور کرادیں، اور گورنمنٹ کے فرائض میں سے ہے کہ مسلمانوں کے معاملات کے فیصلہ کرنے کے لیے نصب قضاۃ کا انتظام کرے، اس میں توقف کی گنجائش نہیں ہے؛ کیوں کہ بہت سے وہ معاملات جو قضائے قاضی پر موقوف ہیں بوجہ نہ ہونے قاضی کے ناتمام رہتے ہیں۔ فقط

عزیز الرحمن عفی عنہ، مفتی مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیو بند، ۷ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ

(۱۳) درحقیقت ظالم اور بے رحم شوہروں کی اصلاح مظلومہ اور ستم رسیدہ خاتونوں کی فلاح ناواقف اور جاہل قاضیوں کے دام جہالت سے بچنے کی تدبیر وراہ صرف اسی میں ہے کہ از جانب حکومت بااختیار شرعی قاضی یعنی حاکم مسلم مقرر کیے جائیں۔ فقط

احقر ظہور الحق، خطیب جامع سرائے شیخ اٹاوہ

(۱۴) **ھوالحق:** قاضی کی ضرورت و اہلیت وشرائط کے متعلق جو کچھ حضرت مجیب نے تحریر فرمایا سب بجا و درست اور صحیح ہے، نہایت ضروری ہے کہ نصبِ قاضی شرعی کی طرف توجہ گورنمنٹ مبذول کرانے میں جان توڑ کوشش کی جاوے کہ یہ جماعتِ مسلمین - **کثّرھم اللہ تعالیٰ** - ایک جسم ہے، گویا جس کا سَر نہیں۔ **لعلّ اللہ یحدث بعد ذلک من یلی أمرھا و یجمع شملھا و ھو حسبنا و نعم الوکیل۔**

حررہ عبدہ العاصی محمود بریلوی صانہ اللہ عما شانہ الوارد فی الحال فی اٹاوہ

(۱۵) نصب محکمہ قضائے شرعی کے متعلق گورنمنٹ کی توجہ مبذول کرانی نہایت ضروری ہے، اس میں مسلمانوں کی بہتری اور اصلاح مضمر ہے۔ فقط

العبد **ظفر حسین** ہیڈ مولوی اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کان اللہ لہ

سید **محمد منور علی** عفی عنہ۔ **محمد قاسم** ساکن بلیا مقیم حال اٹاوہ، بقلم خود

(۱۶) **وہو الموفق للجواب:** ہمارے ملک میں قاضیوں کی منجانب حکومت مقرر کرنے کی نہایت ضرورت ہے جیسا کہ فاضل مجیب صاحب نے اپنی تحریر میں محض مسائل کی تفصیل بیان کر کے ثابت کیا ہے، یہاں اس وقت ان کے علاوہ اور بھی بہت سی صورتیں درپیش ہیں۔ جن کا تصفیہ بغیر نصبِ قاضی ناممکن ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قاضی کا تقرر جب ہی مفید اور اثر انداز ہوسکتا ہے جب کہ منجانب حکومت ہو پس تمام مسلمانوں کو متفقہ طور پر اس کی پرزور کوشش کرنی چاہیے۔ ہاں انتخاب قاضی کے لیے ان باتوں کا لحاظ ضروری ہے، جو مجیب نے مصرح بیان کردی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب!

کتبہ بندہ سید **حمید الدین** غفرلہ

مہتمم و مدرس مدرسہ عربیہ گلاوٹھی، ضلع بلند شہر، ۸ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ

(۱۷) المجیب مصیب!

احقر **عبد الحق** سلمہ الحق خویدم الطلبہ، مدرسہ عربیہ گلاوٹھی، ضلع بلند شہر

(۱۸) لقد أصاب من أجاب۔

احقر العبد **بشیر احمد** غفرلہ اللہ الاحد، مدرس مدرسہ منبع العلوم، قصبہ گلاوٹھی، ضلع بلند شہر

(۱۹) الجواب صحیح و المجیب مصیب!

بندہ **ابرار احمد** غفرلہ الصمد، مدرس مدرسہ منبع العلوم قصبہ گلاؤٹھی، ضلع بلند شہر

(۲۰) باسمہ سبحانہ! مجیب علامہ نے مسئلہ نصبِ قضاء کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا بالکل حق اور صحیح ہے، حقیقت الامر یہ ہے کہ ہندوستان کی مسلم پبلک کو منصبِ قضاء کے نہ ہونے کی بدولت آئے دن جن مصائب سے دوچار ہونا پڑتا ہے وہ احاطۂ تحریر سے باہر ہیں اور ان کا صحیح اندازہ بھی وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو روزمرّہ فتویٰ نویسی کا اتفاق رہتا ہے، آج ہندوستان کے طول وعرض میں ہزارہا کی تعداد میں ایسی عورتیں موجود ہیں جو محض منصبِ قضا کے نہ ہونے کی وجہ سے بے شمار مصائبِ روحانی وجسمانی کا شکار ہو رہی ہیں اور بارہا دیکھا گیا ہے کہ کبھی یہی مصائب ان کو خودکشی پر بھی مجبور کر دیتے ہیں ایسی حالت میں نصب محکمۂ قضاء کے لیے گورنمنٹ سے استدعا کرنا اور اس کے کامیاب بنانے میں ہر ممکن سعی کرنا مسلمانوں کا اہم فریضہ ہے، جو صاحب اس تحریک میں سعی فرمائیں گے عنداللہ اجرِ عظیم کے مستحق ہوں گے۔ فقط!

خاکسار **محمد منظور نعمانی** غفرلہ

خادم التدریس مدرسہ عالیہ اسلامیہ چلہ امروہہ، ۹؍ربیع الاول ۱۳۴۷ ہجری نبوی

(۲۱) الجواب صواب۔

انوار الحق غفرلہ مدرس مدرسہ محلہ چلہ امروہہ، ضلع مرادآباد

(۲۲) أصاب من أجاب۔

فضل احمد مدرس مدرسہ عربیہ محلہ چلہ امروہہ، ضلع مرادآباد

(۲۳) محکمۂ قضاء کا مطالبہ گورنمنٹ سے موجودہ حالت میں نہایت ضروری ہے، علمائے کرام کو اس کے حاصل کرنے کی متفقہ کوشش کرنی لازمی ہے۔

بندہ محمد نعیم عفا اللہ عنہ

خلف مولانا عبداللہ صاحب مفتی لدھیانہ پنجاب

(۲۴) قیامِ محکمۂ قضاء ضروریات دین میں سے ہے؛ اس لیے اس کا مطالبہ آج سے بہت پہلے ہونا چاہیے تھا؛ مگر اس وقت تو پہلے سے ضرورت بہت زیادہ محسوس ہوئی ہے؛ لہٰذا اہلِ اسلام کو اس کی تحصیل میں بہت زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ فقط واللہ اعلم!

احقر محمد عبداللہ حنفی مفتی

مدرسہ عزیزیہ لدھیانہ خلف مولانا محمد اسماعیل صاحب مرحوم بلیہ والے۔

(۲۵) محکمۂ قضاء کی ضرورت عامہ فی زمانہ کسی اہلِ دین پر مخفی نہیں ہے، جزئیاتِ مذکورہ کے علاوہ بہت سے مسائل عقود وفسوخ محکمۂ قضاء پر موقوف ہیں، جن کے لیے قاضی شرعی ضروری ہے؛ چوں کہ اکثر جزئیات میں عامۃ الناس فہم نہیں رکھتے؛ لہٰذا اس کا انتخاب اور قاضی کا تقرر علماء کے سپرد ہونا چاہیے۔ فقط۔

بندہ **رحمت علی** بانی مدرسہ قاسمیہ لدھیانہ، احمد حسن عفی عنہ مہتمم مدرسہ ام المدارس، تعلیم القرآن لدھیانہ، پنجاب۔

(۲۶) مسلمانوں کے لیے قاضیوں کا نصب کرنا سخت ضروری ہے، بغیر اس کے ہندوستان میں مسلمانوں کی زندگی وبال ہو رہی ہے، علاوہ مضامین اور خطبات کے میں نے مجلس نکاح وطلاق مجوزہ حکومت متحدہ (یوپی) کی ایک جماعت کے صدر کی حیثیت سے جو اخلاقی روداد لکھی ہے اور جس پر مولانا کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ العلماء ہند دہلی اور مولانا قطب الدین، عبدالوالی صاحب فرنگی محلی کے دستخط ہیں، اُس میں بہ تصریح حکومت سے قضاۃ کے تقرر کا مطالبہ کیا ہے اور عباراتِ فقہ اور واقعات سے اس کی ضرورت ثابت کی ہے؛ لیکن مسلمانوں کو اس کے لیے اب باقاعدہ تحریک اور جدوجہد کی حاجت ہے۔

سید سلیمان ندوی

(۲۷) ہندوستان میں قاضی شرعی کا ہونا ضروری امر معلوم ہوتا ہے، اس سے بہت سے منافع کی تنفیذ اور مضار کا انسداد ہوجائے گا۔ بندہ **فخر الدین** عفی عنہ گنگوہی

(۲۹) بندہ **عبدالمجید** عفی عنہ تھانوی مقیم حجرۂ شریفہ رشیدیہ قدوسیہ گنگوہ

(۳۰) **عزیز حسین** مہتمم مدرسہ قدوسیہ گنگوہ

(۳۱) **منظور احمد** رام پوری مقیم گنگوہ

(۳۲) **مسعود احمد** بقلم خود (صاحبزادۂ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ)

(۳۳) باللہ التوفیق۔ اس میں شک نہیں کہ شریعت محمدیہ زہراء اور ملت اسلامیہ غراء میں ابوابِ نکاح، طلاق، نسب، وقف وغیرہ کے کثیر التعداد مسائل اور کثیر الوقوع حوادثات اور باہمی نزاعات کا فیصلہ قاضی شرعی کے وجود پر موقوف ومشروط ہے؛ لہٰذا ایسی حالت میں سلطنت کی طرف سے محکمۂ قضاء کا قائم ہونا اور ہر شہر کے واسطے ایک ایسا شخص جو عالم وعادل، فہیم ومبصر، سنّی کا مقرر ہونا اشد ضروری اور اہم مہمات سے ہے، اہلِ اسلام کا فرض ہے کہ اس کے لیے متحدہ کوشش اور سعی بلیغ فرمائیں؛ تاکہ آیندہ مسلمانوں کو امور مذہبی میں ناقابلِ برداشت مصائب کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ واللہ المستعان!

محمد نور الحسین الرامفوری کان اللہ لہ

(۳۴) اس میں شک نہیں کہ بہت سے مسائل شرعیہ ایسے ہیں جو بغیر قضائے قاضی کے طے نہیں ہوسکتے اہلِ اسلام کو چاہیے کہ انتہائی کوشش کر کے حکومت سے قاضی کو مقرر کرائیں؛ تاکہ وہ مسائل جو قضاء پر موقوف ہیں طے ہوسکیں۔ واللہ سبحانہ اعلم!

محمد معاون حسین العمری المجد دی

مدرسہ ارشاد العلوم، رامپور، محلہ چاہ شور

(۳۵) بے شک تقرر قاضی کی از حد ضرورت ہے۔

محمد ریحان حسین العمری المجد دی، مدرسہ ارشاد العلوم واقع ریاست رام پور، محلہ چاہ شور

(۳۶) احقر **حامد علی** کان اللہ لہ

(۳۷) بے شک تقرر قاضی موافق شریعت زہراء ضروری ہے۔

حررہ **حمید اللہ**، المدرس لمدرسۃ ارشاد العلوم رام پور

(۳۸) بلا شبہ مسلمانوں کے مذہبی معاملات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے تقرر قاضی کی سخت ضرورت ہے، اگر اس طرف حکومت کی توجہ مبذول ہو تو اہلِ اسلام کو چاہیے کہ تقرر قاضی کے لیے حکومت میں اپنی انتہائی سعی وکوشش کے صرف میں کسی طرح اغماض نہ فرمائیں۔ وعلی اللہ التکلان انہ خیر من أعان!

خاکسار **عبد اللہ** رضوی بہاری عفا عنہ الباری، مدرس مدرسہ ارشاد العلوم، رام پور

(۳۹) الجواب۔ نصبِ قضا ایک نہایت ہی اہم اور ضروری مسئلہ ہے، جس کے لیے مسلمانوں کو پرزور اور منظم سعی کرنے کی ضرورت ہے، شرعی قاضی نہ ہونے سے آئے دن مسلمانوں کو صدہا مشکلات کا سامنا رہتا ہے، غیر مسلم عدالتیں جن کو ان مسائل کے تصفیہ کا کوئی حق نہیں، اور نہ ان کا فیصلہ ان معاملات میں کوئی معتبر فیصلہ ہوسکتا ہے۔ دھڑا دھڑ مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کرتے رہتے ہیں، اور بیچارہ مسلم مجبوراً ازراہِ نادانی ان محاکمات کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے، جس سے فریقین کی تمام عمر شرعی حرام میں کٹتی ہے اور شرعی قاضی نہ ہونے کی بدولت عمر بھر مبتلائے حرام رہتا ہے، نمونہ کے طور پر مجیب نے چند مسائل بیان کر دیے ہیں؛ ورنہ ان سے صدہا مسائل کا انفصال بدون نصبِ قضاء ناممکن ہے۔ واللہ اعلم!

حررہ **فخر الدین احمد** غفرلہ (شیخ الحدیث) مدرسہ مسجد شاہی مراد آباد

(۴۰)واقعی نصبِ قضائے قاضی کی اشد ضرورت ہے۔

محمد قدرت اللہ، مدرس مدرسہ شاہی مسجد مرادآباد

الجواب اجوداست۔ **محمد عجب نور** غفرلہ مدرس مدرسہ شاہی مرادآباد

(۴۱)الجواب: واقعی نصبِ قضاء کی اشد ضرورت ہے، تمام مسلمانوں کو عموماً اور ممبران صاحبان کو خصوصاً متفقہ طور پر کوشش کر کے گورنمنٹ سے استدعاء کرنی چاہیے کہ وہ جلد از جلد ہندوستان میں نصبِ قضاء قائم کر کے مسلمان رعایا کی مشکلات کا ازالہ کر کے مشکوری کا موقع دے۔ فقط، واللہ اعلم وعلمہ اُتم!

کتبہ العبد الضعیف **محمد مصلح الدین احمد** غفرلہ

معین مفتی ونائب قاضی مدرسۃ الغرباء قاسم العلوم واقع مسجد شاہی مرادآباد

(۴۲) قاضی شرعی نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو آئے دن جن دقتوں کا سامنا ہوتا ہے خصوصاً فسخ نکاح کے وقت وہ اظہر من الشّمس ہے، اس لیے موجودہ حکومت سے اس قسم کی درخواست کر کے منصبِ قضاء کا تعین از بس ضروری ہے اور وہ حضرات جو اس میں سعیِ بلیغ فرما رہے ہیں، بلاشبہ اجر عظیم کے مستحق ہیں۔

کتبہ **ابوسعید عبد القدوس** عفا عنہ، مدرس مدرسہ مصباح العلوم، الہ آباد

(۴۳) ہوالموفق: جوابات قدرِ کفایت بالکل صحیح ہیں، اصولِ شریعت اسلامیہ کے مطابق ہیں، بے شک نکاح وطلاق ونسب ومیراث کے مسائل عموماً ایسے ہیں جن کے فیصلہ وتنفیذ وتعمیل کے لیے قاضی شرعی یعنی حاکم مسلم عالم دینیات کا ہونا ضروری ہے اور اکثر اہم صورتوں میں قضائے قاضی شرط لازمی ہے، جس کے بغیر شرعی فیصلہ ناممکن ہے، یقیناً محکمہ قضاء اور قاضئ شرعی کے نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانانِ ہند کو اسلامی اصول

معاشرت میں سخت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے؛ لہٰذا گورنمنٹ کی خدمت میں محکمۂ قضاء کی استدعا نہایت ضروری اور حق مذہبی ہے۔ **فقیر ظفر حسین چشتی فاروقی**

مدرس عربی اسلامیہ کالج ڈھاکہ، ۸ر ستمبر ۱۹۲۸ء

(۴۴) بے شک ہندوستان میں قاضی شرعی کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

مطیع الرحمن عفی عنہ، مدرس عربی اسلامیہ کالج ڈھاکہ، ۱۵ر ستمبر ۱۹۲۸ء

(۴۵) مضمونِ فتوی ہذا سے بندہ موافق ہے اور گورنمنٹ عالیہ کے کرم سے اُمید ہے کہ اس کو منظور فرماویں۔

الراقم **محمد برکات عفی عنہ** امام مسجد نواب صاحب ڈھاکہ، ناظم مدرسہ اسلامیہ ڈھاکہ

(۴۶) ہوالموفق۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی ضروریات کے لحاظ سے مسلمان قاضی کا مقرر کرنا احکامِ شرعیہ کے مطابق نہایت ضروری ہے، شرعی قاضی نہ پائے جانے کی وجہ سے مسلمانوں کو سخت دقتیں پیش آتی ہیں۔ فقط! **محمد عمر عفی عنہ**

(۴۷) الجواب صحیح۔ **محمد ذاکر عفا اللہ عنہ**

(۴۸) مسلمانوں کے مذہبی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے اس زمانہ میں اکثر ایسے شرعی معاملات درپیش ہوجاتے ہیں جن میں اشد ضرورت مسلمان قاضی کی ہوتی ہے، بغیر قاضی کے بہت دقتیں پیش آتی ہیں۔ **خلیل احمد سلونی عفی عنہ**

(۴۹) شرعی قاضی یعنی والی مسلم کا ہونا بعض مسائلِ شرعیہ کے لحاظ سے نہایت ضروری ہے۔ **حفیظ الرحمن عفی عنہ**

(۵۰) مذہبی ضروریات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے قاضی کا ہونا بہت ضروری ہے۔

مشتاق احمد عفی عنہ

(۵۱) بعض مسائل شرعیہ میں شرعی قاضی کی سخت ضرورت ہوتی ہے، مسلمانوں کو گورنمنٹ سے اس کے لیے درخواست کرنی بہت ضروری ہے۔ **اشفاق احمد اعظمی عفی عنہ**

(۵۲) اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی ضروریات کے لحاظ سے قاضی کا اس زمانہ میں ہونا نہایت ضروری ہے۔ **ثناء اللہ عفی عنہ**

(۵۳) بعض مسائلِ شرعیہ میں قضاء قاضی کی اشد ضرورت پڑا کرتی ہے۔ اس لیے قاضی کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ **سید محمد اسحاق عفی عنہ الہ آبادی**

(۵۴) بعض مسائلِ شرعیہ مثلاً فسخ نکاح وغیرہ میں شرعی قاضی کی نہایت ضرورت ہوتی ہے۔ اِس لیے قاضی ہونا چاہیے۔ **محمد محب اللہ عفی عنہ**

(۵۵) فسخ نکاح و دیگر مسائل ضروریہ میں قاضی کی ضرورت پڑتی ہے؛ اس لیے شرعی قاضی کا تقرر ازبس ضروری ہے۔

محب الدین احمد عفی عنہ الہ آبادی

(۵۶) محکمہ قضاء نہ رہنے کی وجہ سے بعض مسائل میں مسلمانوں کو سخت دقت کا سامنا ہوتا ہے؛ اس لیے مسلمانوں کو گورنمنٹ سے اس قسم کی درخواست کرنی ازبس ضروری ہے۔ **محمد یوسف عفی عنہ**

(۵۷) شرعی قاضی کا تقرر بہت ضروری ہے، مسلمانوں کو اس میں کوشش کرنی چاہیے۔ **عبدالحکیم غفرلہ**

(۵۸) بعض امورِ شرعیہ کے حل میں بغیر کسی شرعی مُجاز شخصیت کے بسا اوقات بے انتہا دقتیں پیش آتی ہیں، اس لیے کسی قاضی کا تقرر ہونا ضروری ہے۔

محمد حسینی حسینی المصباح غفرلہ

(۵۹) بعض مسائلِ شرعیہ کے لیے قاضی کا ہونا نہایت ضروری ہے؛ اس لیے گورنمنٹ سے تقرر قاضی کی درخواست کرنا لابدی ہے۔ اسحاق علی عفی عنہ

(٦٠) بلاشبہ قاضی شرعی کی مسلمانوں کو ہندوستان میں شدید ضرورت ہے اور گورنمنٹ سے نصبِ قضاء کے لیے پرزور استدعا لازمی ہے، کہ اس کے بغیر ہزارہا مسلمان عورتوں کی جان وآبرو سخت خطرہ میں ہے، جیسا کہ تحریرِ بالا سے واضح ہوگیا، اور مزید تشریح کی حاجت نہیں رہی۔ فقط! **عاشق الٰہی** عفی عنہ، میرٹھ، ۱۲ ربیع الاول ۱۳۴۷ ہجری

(٦١) نحمده ونصلّي على رسوله الكريم۔ أما بعد!

(۱) عہدۂ قضاء احکامات الٰہیہ کے نفاذ کا نام ہے، جس کی شریعتِ اسلامیہ میں ہر آن ضرورت ہے زمانہ سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **(فاحكم بينهم بما أنزل الله)** پر مامور ہوکر منصبِ قضاء کی عملاً تکمیل فرماتے رہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم وخلفائے عظام نے بھی حضورؐ کا تتبع کیا، خلفائے بنی امیہ وعباسیہ وغیرہ نے عہدۂ قضاء کے قیام سے اسی سلسلہ کو باقی رکھا، غرض کہ جمہور اہلِ اسلام تقرر عہدۂ قضاء کو فرض ولازم سمجھتے چلے آئے ہیں، امام محمدؒ نے نصبِ قاضی کو فرض محکم بتایا ہے۔ (۲) قاضی صاحبِ حکومت ہونا چاہیے، قاضی کی شرائط میں مسلم، عاقل، بالغ، حر، غیر محدود فی القذف ہونا داخل ہے، جس میں یہ شرائط نہیں پائی جائیں گی وہ حاکم نہیں ہوسکتا (۳) ولایتِ نابالغ، فسخ نکاح، مفقود الخبر، فسخ نکاحِ مجنون، فسخ نکاحِ فاسد وغیرہ ایسے معاملات ہیں، جن میں قضائے قاضی کی ضرورت ہے۔ (۴) معاملات مذکورہ بالا میں شرعاً غیر مسلم حاکم کا فیصلہ قابلِ عمل ونفاذ نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ وہ احکاماتِ اسلامیہ سے ناواقف ہے، اور اگر جزوی طور پر واقف بھی ہو تب بھی یہ واقفیت عدمِ واقفیت ہی کے مرادف ہوگی؛ اس لیے کہ قاضی کے

لیے اجتہاد بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ ''ہدایہ'' میں ہے۔ **''ویکون مِن أهل الإجتهاد''**۔ (۵) اگر مسلمان از خود قاضی منتخب کرلیں تو شرعاً وہ قاضی نہ ہوگا؛ کیوں کہ ولایت ایسے قاضی کو حاصل نہ ہوگی۔ (۶) قاضی اگر چہ حاکم جابر یا غیر مسلم کی طرف سے مقرر کیا جائے، اُس کا نصب جائز اور اُس کے احکامات قابلِ عمل و نافذ ہوں گے، شریعتِ اسلامیہ نے ایسے قاضی کو قاضی متصور کیا ہے، ''ہدایہ'' میں ہے **''ثمّ یجوز التقلّد من السلطان الجائر کما یجوز من العادل''**۔ (۷) نصب قضاء کے لیے گورنمنٹ سے درخواست کرنا اور اُس کے لیے ہر امکانی جدو جہد کرنا مسلمانانِ ہند کا فرض مذہبی ہے، ہر مسلمان کو ان ممبران سے موافقت کرنا چاہیے جو اس کے لیے ساعی ہیں ایسے ممبران حقیقتاً عامۃ المسلمین کا حق نمایندگی ادا فرمائیں گے۔ اور ان کی آواز عامۂ مسلمین کی آواز ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب!

حررہ **محمد عبد الصمد** مقتدری بدایونی، ربیع الاول ۱۳۴۷ھ

بے شک منصب قضاء اسلام کے احکام سے ایک ضروری حکم ہے، خصوصاً ہندوستان میں اس کی اشد ضرورت ہے، وقت کا حاکم ضابطۃً اگر چہ غیر مسلم ہو ایسے منصب کا تقرر کر سکتا ہے۔ **محمد عبد السلام** عفی عنہ، مدرس اعلیٰ مدرسہ دار العلوم شمس العلوم بدایوں

(۶۲) **''اللهم أرنا الحق حقاً و الباطلَ باطلاً''** بے شک ہندوستان میں بہت سے نکاح ایسے ہو جاتے ہیں جو اہلِ ہند اپنے قرابت دار چھوٹے چھوٹے بچوں کا ان کی صغرِ سنی میں کرا دیتے ہیں تو اُن میں بعض عورتیں جوان ہونے کے بعد اس نکاح سے ناخوش ہوتی ہیں، اور جدائی چاہتی ہیں؛ مگر جدائی کی ان کو کوئی سبیل نہیں ملتی؛ لہٰذا ان کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے اور بعض اوقات ان میں بعض جرموں (خودکشی وحرام کاری) کی مرتکب بھی ہو جاتی ہیں، اور اسی طرح مفقود الخبر (لاپتہ) کی بیوی بھی ہمیشہ مصیبت میں

گرفتار رہتی ہے، پس علاوہ دیگر امورِ ضروریہ کے خود یہی دو صورتیں ایسی ہولناک ہیں کہ ان پر نظر کرنے کے بعد ہر ذی شعور و فہمِ سلیم والا آدمی کانپ اٹھتا ہے اور ان مصیبت زدوں کی چارہ جوئی کے واسطے دل و جان سے رہائی کی کوشش و سعی کرنا چاہتا ہے۔ پس گورنمنٹ عالیہ؛ چوں کہ ہمیشہ سے اپنی رعایا کی بہبودی کی طرف توجہ مبذول فرماتی رہتی ہے تو ان مصیبت زدہ اپنی رعایا کے افراد کو ایسی ایسی ضرورتوں کا احساس فرما کر رہا فرمانے کے لیے نصبِ قاضی کو بالیقین اہم اور لازم تصور فرما کر علمائے شریعت محمدی کی رائے سے اہلِ علمِ شرع قاضیوں کو ان ضروری فیصلہ جات کے واسطے ہندوستان کے تمام اطراف و جوانب میں مقرر فرمانے میں کافی توجہ فرما کر ان مصیبت زدہ لوگوں کو اپنے لیے دعا گو بنا کر منصبِ حکومت کو ادائے فرضِ منصبی سے مزین فرمائے گی۔

بندہ ضعیف **محمد عبداللطیف** عفا عنہ، ۱۲/ربیع الاول ۱۳۴۷ھ، سونی پت

(۶۳) واقعی امورِ مندرجہ جواب کے واسطے نصب قاضی کی ضرورت ہے۔

احقر **محمد عبدالرحمن** عفی عنہ

(۶۴) ہوالموفق: واقعی مسلمانوں کے لیے نصبِ قاضی نہایت ضروری اور ایسا فرض مذہبی ہے کہ بدون اس کے ان احکامِ شرعیہ میں جن کا نفاذ بغیر قضاء قاضی کے ہو ہی نہیں سکتا، سخت خلل واقع ہونے سے ہماری مذہبی آزادی بالکل نقصان میں ہے، اور قاضی وہی شخص ہے جو بادشاہ وقت کی جانب سے بولایت عامہ فصلِ خصومات کے لیے مقرر کیا گیا ہو جس کے لیے مسلم و عاقل و بالغ و آزاد و بینا و شنوا و گویا اور فصلِ خصومات پر قادر ہونا اور محدود فی القذف نہ ہونا ضروری ہے اور فاسق و جاہل کو قاضی بنانا آداب و رعایت منصبِ قضاء کے خلاف ہے اور ایسی تحریک پر مسلمانوں کے سر وبالِ معصیت رہے گا اور

ایسے معاملات میں قضائے قاضی کی ضرورت سمجھی گئی ہے جن کو مجیب لبیب نے دس شکلوں میں تمثیلاً بیان کیا ہے اور اُن کے علاوہ بھی میراث ووقف وغیرہ کے متعلق بہت سی صورتیں ایسی نکلتی ہیں جن کا انفصال قاضی ہی کرسکتا ہے اور ان معاملات میں جن کے انفصال میں قاضی کی ضرورت ہے کسی حاکم غیر مسلم کا فیصلہ معتبر نہیں، **كما هو مصرح في غير واحد من الكتب الفقهية** اور کسی جگہ کے مسلمانوں کا کسی شخص کو بطور خود قاضی بنالینا کافی نہیں؛ بل کہ بادشاہِ وقت کی جانب سے (اگر چہ وہ غیر مسلم ہو) مامور کیا جانا ضروری ہے؛ ورنہ اس کے فیصلے ان امور میں جن میں قضائے قاضی کی ضرورت ہے شرعاً معتبر نہ ہوں گے، پس بادشاہِ وقت سے نصبِ قاضی کے لیے استدعاء اور اس بارہ میں ہر جائز وموثر طریقہ پر کوشش کرنے والوں سے متفق ہونا مناسب؛ بل کہ ضروری ہے۔ **واللہ أعلم وحكمه أحكم!**

حررہ الراجی عفو ربہ الوحید ابوالحامد **محمد عبدالحمید** غفرلہ ذنوبہ وستر عیوبہ۔ ۱۳۴۷ھ

(۶۵) صح التصديق والجواب ومطابق النقل بأصل الكتاب والله أعلم بالصواب۔ حرره الراجي عفو ربه العلي الرب الحكيم وفضل مولاه الحليم خادم العلماء والطلاب أبو القاسم محمد عتيق صانه سبحانه عما لا يليق بن شيخ الإسلام مرشد الأنام مولانا العلام قدوة العارفين زبدة السالكين فريد عصره وحيددهره العلامة الوحيد الحاج الحافظ الشيخ أبي الحامد محمد عبد الحميد أدامه الله بفضله المزيد الفرنجي محل اللكنوي، ١٣٤٧ھ

(۶۵) للہ درّ من أجاب فأصاب۔ **ابوالبیان عبدالحلیم** المعلم بمدرسہ العالیہ القدیمہ

(۶۶) الجواب والله أعلم بالصواب۔ حررہ **کلیم اللہ** مدرس مدرسہ قدیمہ لکھنؤ

(۶۷) الجواب صواب۔ **مشیت اللہ** مدرس مدرسہ اسلامیہ نگینہ عفا اللہ عنہ

(۶۸) الجواب حق۔ فصیح احمد غفرلہ، مدرس مدرسہ اسلامیہ نگینہ

(۶۹) الجواب صواب۔ انوار الحق فاضل دیوبند

(۷۰) الجواب حق۔ خادم العلماء محمد اختر علی عفا اللہ عنہ سند یافتہ مدرسہ عالیہ دیوبند

(۷۱) أصاب من أجاب۔ محمد سعید غفرلہ مدرسہ قاسمیہ نگینہ، ۲۹ رصفر ۷ ۱۳۴ھ

(۷۲) الجواب حق۔ احقر ایوب غفرلہ فاضل دیوبند

(۷۳) جواب حق۔ محمد احمد غفرلہ ذنوبہ فاضل مدرسہ نگینہ

(۷۴) الجواب صواب۔ محمد حسن غفرلہ فاضل دیوبند

(۷۵) الجواب صحیح۔ امیر احمد مدرس مدرسہ اچھولی، ضلع میرٹھ

(۷۶) جواب صحیح ہے۔ معین الدین عفی عنہ

(۷۷) جواب صحیح ودرست ہے۔ ناصر علی عفی عنہ

(۷۸) الجواب صحیح۔ عبد الغنی خادم مدرسہ روضۃ العلوم پھول پور (اعظم گڈھ)

(۷۹) مسائلِ مسطورہ بالا بالکل صحیح اور درخواست بغایت قابلِ التفات واعتبار ہے، عرصہ سے دل چاہتا تھا کاش کوئی انتظام گورنمنٹ کی طرف سے نصبِ قضاء کا ہوجاتا تو بعض احکامِ شرعیہ متعلقہ نکاح وطلاق ونسب ووقف ومیراث میں، جن میں قضائے قاضی کی شرط ہے، بہت ہی سہولت ہوجاتی، واقعی ہندوستان میں ایسا کوئی انتظام نہ ہونے سے مسلمانانِ ہند کو سخت دقتوں ومصیبتوں کا سامنا رہتا ہے، یہ معلوم کرکے کہ بعض ممبرانِ کونسل نے اس طرف توجہ مبذول فرمائی ہے، بہت ہی مسرّت ہوئی، ان شاء اللہ امید قوی ہے کہ گورنمنٹ ہماری اس درخواست پر ضرور توجہ فرمائے گی اور ہم مسلمانانِ ہند کو موقع شکر وامتنان کا دے گی۔ فقط کتبہ الاحقر محمد عیسیٰ، پروفیسر عربی وفارسی گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج، الہ آباد

(۸۰) اقامۃ محکمۂ قضاء اور نصب قاضی علی الوجہ الشرعی جن کو بعض محبین نے استفتاء ہذا کے جواب میں کتبِ فقہیہ کی عبارات سے اس کے شرائط و اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ جن کا اعادہ تحصیل حاصل اور کتبِ معتبرہ فقہیہ سے تقویت مزید باعثِ تطویل ہے۔ نہایت ضروری ولازمی ہے، علماء نے بہ موجب حدیث نبویؐ "علیك أن تُعین مُحسِنَهُم" تم پر مسلمانوں کے بہی خواہ کی اعانت ضروری ہے، تقرر قاضی کے ضروری ہونے کا فتوی دے کر مسلم ممبران کونسل اور عامۂ مسلمین کو سعی بلیغ کا موقع دیا ہے اور بشارت عظمٰی سے۔ جو مخبرِ صادق کا فرمان ہے۔ مسرور فرمایا ہے کہ جو شخص دِن یا رات کے کسی گھنٹہ میں اپنے بھائی کی حاجت روائی میں کوشش کرے، خواہ اس کو پوری کر سکے یا نہ کر سکے یہ فعل اُس کا دو ماہ کے اعتکاف سے بہتر ہے اور اس قول نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تخویف کی ہے "**من لم یهتم للمسلمین فلیس منهم**" جو مسلمانوں کی اصلاح و بہبودی نہ چاہے وہ ان میں سے نہیں ہے، بناءً علیہ نصبِ قاضی علی الشرائط الشرعی جو مسلمانوں کے فوائد دینی و دنیوی پر مشتمل ہے۔ ضروری ولازمی ہے، اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کی مدد فرمائے، جن لوگوں کو خداوندِ عالم نے ایسے موقع عطا فرمائے ہیں کہ وہ کچھ مدد مسلمانوں کی کر سکیں وہ خوش نصیب ہیں، ایسے مواقع ہاتھ سے نہ دینا چاہیے؛ کیوں کہ کسبِ سعادت وثواب کا اچھا موقع ہے، یہ خیال کرنا کہ ہم مسلمانوں اور اسلام کی خدمت کرتے ہیں نازیبا ہے۔

منت منہ کہ خدمتِ سلطان ہمی کنم　　　　منت شناس از و کہ بخدمت گزاشتت

کتبہ الفقیر **محمد نعمت اللہ محب اللہ** عفی عنہ ماجناہ

(۸۱) سلطنت کی طرف سے منصبِ قضاء کا تعین ہم مسلمانوں کے لیے از بس مفید وضروری ہے۔　　　　**محمد شریف** کان اللہ لہ

(۸۲) بے شک گورنمنٹ کی جانب سے قاضی کا تقرر مسلمانون کے حق میں مفید ہے۔ احقر فخر الدین عفاعنہ

(۸۳) بسم اللہ الرحمن الرحیم، و صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و صحبہ أجمعین: قیام محکمۂ قضاء یعنی دار القضاء کا مسئلہ ہندوستان کے طبقہ علماء میں عام ومسلم ہو چکا ہے، اکثر مجالس علماء میں بار بار یہ مسئلہ پیش ہو چکا اور منظور ہوا، تجویز و تخیل سے گزر کر کہیں کہیں اس نے عملی صورت بھی اختیار کر لی، کانپور کا کامیاب دار القضاء – جو موجودہ دور میں پہلا دار القضاء ہے –، اس دعوی کی جلی شہادت ہے، کان پور کے علاوہ پھلواری، پٹنہ، سہسرام وغیرہ مقامات میں بھی دار القضاء ہیں، جو کسی حد تک کامیاب ہیں، اسلامی ضروریات مسلمانانِ ہند کو اس امر پر مجبور کر رہی ہیں کہ یہ اسلامی عملی سلسلہ تمام ہندوستان میں پھیل جاوے؛ مگر ان کے قیام کے باوجود چوں کہ اختیارات اور ولایت مطلقاً نہیں ہے، اس لیے تاہنوز مسلمانوں کے لیے بہت سے حقوق تلف اور شرعی نقصانات ہو رہے ہیں، اس لیے مسئلہ دار القضاء کی موجودہ ضرورت اور آنے والی اہمیت کو پیشِ نظر رکھ کر ضرورت ہے کہ حکومتِ موجودہ سے مسلمان پرزور درخواست کریں اور منظم سعی اس کے منظور اور جاری ہونے تک برابر قائم رکھیں اور سخت بے چینی سے اُس وقتِ مسعود کی آمد کا انتظار کریں، جو حکومتِ مسلطہ کی طرف سے بدنصیب مسلمانوں کو مبارک وکمال بخش وقت اپنی کامل صورتوں میں جلوہ گر ہو، خدا نہ کرے کہ اس ضروری فرض کی تعمیل میں طبائع کا جمود حائل ہو اور ایک امر شرعی بلا وجہ اختیار ہوتے ہوئے رہ جاوے؛ کیوں کہ قاضی شرعیات میں مسلمانوں کے مقامی امام کا درجہ رکھتا ہے۔ قاضی کا نصب مسلمانوں پر اس لیے بھی ضروری ہے کہ اکثر معاملات شرعیہ میں جھگڑے ایسے ہوتے ہیں کہ بدون قاضی

کسی کا فیصلہ اس باب میں معتبر نہیں ہوتا؛ لہٰذا ان منازعات کا قطع کرنے والا شرعی بنیادوں پر ہونا چاہیے اور وہ قاضی ہے، اسلامی احکام کی رو سے قضاء وہ لازمی شرعی فیصلہ ہے، جو ولایتِ عامہ سے صادر ہو، ولایت واختیارات عامہ کا لحاظ اِس لیے ضروری ہے کہ ہر شخص صرف اپنی ذات پر اختیار وولایت رکھتا ہے، دوسرے شخص پر اس کی ولایت وقابو نہیں ہے اور جب ہر ایک کو اختیار وتصرف ہے، تو کبھی دو آدمیوں میں تصرفات کے سلسلہ میں تدافع وتخالف ہوتا ہے اور اس حد تک کہ باہم مصلحت ناممکن ہو ایسی صورت میں اگر انہیں کے اختیارات مطلقاً چھوڑے جائیں تو مورثِ قتل وخون ریزی ہے؛ اس لیے اسلام نے ان کے ایسے اختیارات سلب کر کے قاضی کے قبضہ میں دے دیے، جو اصول شرعیہ کی بنا پر فیصلہ کر کے تدافع وتخالف کو رفع کرے۔ وللہ در المجیب حیث أتی بالصواب!

اس میں شک نہیں کہ ہندوستان میں جس قدر قاضی موجود ہیں، خاندانی رسمی ہوں یا نکاح خوانی یا کسی نظام کے ماتحت مسلمانوں کی طرف سے مقرر شدہ ،مگر چوں کہ وہ صاحبِ ولایت واختیار نہیں ہیں اور کسی حاکم ووالی کی طرف سے مقرر شدہ نہیں ہیں؛ اس لیے وہ - جیسا کہ مجیب نے لکھا ہے - محض حکم وپنچ کا رتبہ رکھتے ہیں، حاکم وسلطان کے حدودِ سلطنت کے اندر حاکم وقت کی طرف سے مختارانہ تقرر وتسلط کر دیے جانے پر قاضی کہلایا جا سکتا ہے اور ''القاضي قاضي بتراضي المسلمین'' بلاد الغلبہ میں اس وقت ہو سکتا ہے جب مسلمان اتفاق کر کے کسی کو اپنے اوپر والی بنالیں، والا فلا۔ قال في رد المحتار:

وأما بلاد علیها ولاة کفار فیجوز للمسلمین إقامة الجمع والأعیاد ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین، فیجب علیهم أن یلتمسوا والیاً مسلماً منهم اس لیے ارض الغلبہ میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ کسی کو متفقہ طور سے اپنا والی

بنالیں، تاکہ وہ ان پر اپنی ولایت سے کسی کو قاضی مقرر کرے تاکہ وہ جمعہ واعیاد قائم کرسکے یا دیگر اسلامی ضروریات کے قیام وتحفظ واجراء وغیرہ- جیسا کہ مجیب نے لکھا ہے- اپنے اختیار وتصرف سے نفاذ کرسکے، قاضی کا مقرر کرنے والا والی وسلطان شرط نہیں کہ وہ مسلمان ہو، اگر عیسائی بادشاہ یا مذاہب وادیان باطلہ کا پیرو بادشاہ بھی کسی مسلمان کو مسلمانوں پر قاضی مقرر کردے تو بھی جائز ہے۔ قال في رد المحتار إذا ولی الکافر علیھم قاضیاً ورضیه المسلمون، صحت تولیته بلاشُبهة الخ۔

خلاصہ یہ کہ بلاد غلبہ جیسے ہندوستان کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ پوری جدوجہد کرکے گورنمنٹ سے بااختیار قاضی مقرر کرائیں جس کو مسلمانوں پر ولایت شرعی ہو، اگر مسلمان اس میں سعی نہ کریں گے تو حدیث پاک وصریح اس بارہ میں ان کو وعید بتلاتی ہے: "مَن مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاھلیة" أو کما قال۔ کونسل کے مسلمان لائقِ تحسین ہیں اِس بارہ میں اور مسلمانوں کو اُن کا ساتھ دینا چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب!

حررہ المفتقر إلی اللہ ذي الأیادی **ابوالہادی عبدالکافی** غفرلہ

مدرس ومفتی مدرسہ امدادالعلوم واقع محلہ بانس منڈی/ ومعین القاضی دارالقضاء کان پور

(۸۴) ھذاالجواب صحیح۔

محمد عبدالرزاق عفاعنہ ماجناہ، مدرس مدرسہ امدادالعلوم، کان پور، قاضیٔ شہر کانپور

(۸۵) فی الحقیقت ہندوستان کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ حکومت سے شرعی قاضی کی درخواست کریں؛ کیوں کہ بعض مسائل شرعیہ قضاءِ قاضی پر موقوف ہیں، جن کا نفاذ بدون قاضی شرعی کے نہیں ہوسکتا، ان میں سے بعض مسائل مجیب اول نے ذکر کردے ہیں اور اس معاملہ میں تمام مسلمانانِ ہند کو متفقہ طور پر ممبرانِ کونسل سے موافقت

کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم! **مفتی محمد وصی علی**، ملیح آبادی، سابق مدرس مدرسہ الٰہیات کان پور

(۸۶) **الجواب صحیح۔** **غلام یحییٰ** عفا عنہ، مدرس مدرسہ الٰہیات کان پور

(۸۷) **المجیب مصیب۔** احقر سید **محمد طٰہٰ الٰہی**، مدرس مدرسہ الہیات کانپور

(۸۸) **صح الجواب وتم واللہ أعلم وأحکم۔** **احمد عبدالحلیم** معلم کان اللّٰدلہ

(۸۹) **الأجوبة کلّها صحیحة۔** خادم العلماء **سلطان محمود**، مدرسہ فتحپوری، دہلی

(۹۰) فی الواقع مسائلِ شرعیہ کے لیے گورنمنٹ کی طرف سے قضاۃ کا تقرر ضروری اور لابدی امر ہے، اس کے بغیر صدہا صورتیں نکاح وطلاق کی ایسی ہیں جن کا شرعاً اجراء ونفاذ ناممکن ہے۔ جن میں سے بہت سے اجوبہ منسلکہ سے روشن ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی فقہیات میں کثیر وشہیر ہیں، پھر یہ بھی بات ہے کہ گورنمنٹ کا خود شاہ عالم کے معاہدہ میں یہ معاہدہ موجود ہے کہ ہم ان امور کے انصرام کے لیے قضاۃ مقرر کریں گے۔ رہا یہ امر کہ اس وقت تک اس قسم کا مطالبہ کیوں نہیں کیا گیا تو اول تو شروع سلطنت گورنمنٹ میں حسبِ معاہدہ گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ومجوز رہتے تھے اور جب سے بند ہوئے اس وقت سے ضرورت کا احساس ہوا اور جب حد درجہ پر مجبوریاں پیش آنے لگیں تب مطالبہ کی نوبت آئی، نیز یہ ہے کہ تغیر وتبدلِ زمانہ سے عموماً آزادی پیدا ہوگئی ہے اور اس کا اثر مستورات تک بھی پہنچ گیا ہے، پچھلے زمانہ کی مستورات صابرہ اور عفیفہ زائد ہوتی تھیں، اور اس زمانہ میں عام طور پر اس کا عکس ہے، پس اس بنا پر اس زمانہ میں اس کی ضرورت ہی شدید ہوگئی۔ فقط! **واللہ اعلم الراضي إلی رحمة ربّه المنان المدعو بأشفاق الرحمان الکاندهلوي**

مدرس مدرسہ فتحپوری، دہلی (سابق مفتی مدرسۂ عربی مظاہر علوم سہارن پور)

(۹۱) ضرورة تقرر القاضي ومطالبته من حاكم الوقت أظهر من الشمس ولله در من ارتفع هذه المسئلة۔

العبدالضعیف کان اللہ لہ محمد شریف اللہ مدرس مدرسہ دارالعلوم، فتح پوری، دہلی

(۹۲) اس ضرورت کے احساس کی لہر جن ممبرانِ کونسل کے قلوب میں آئی ہے خواہ وہ کسی اثر سے ہو عندالناس قابلِ قدر ہے اور قابلِ اجر بھی، بشرطیکہ اس سبز باغ یا لال باغ، میں جس میں کچھ لال قلعہ کی جھلک نظر آتی ہے للّٰہیت ہو اور اس میں کوئی اس نافع چیز سے- جو مطمحِ نظر ظاہراً ہے- اضر مضمر نہ ہو، ظاہر ہے کہ گورنمنٹ کو احساس باوجود معاہدہ تھا، بے توجہی کی وجہ کچھ بھی ہو گورنمنٹ اسلامیہ ہے ہی نہیں، اگر اس امر کی اہمیت کی تنبیہ میں خاطی ہیں تو ہم؛ مگر اب بھی کچھ نہیں گیا ہم کو جناب الٰہی میں بالتجاء درخواست کرنی چاہیے کہ ہم کو اپنی مرضی کے مطابق تقرر قضاۃ میسر فرمائے اور موجودہ گورنمنٹ اس میں مزاحم نہ ہو، جیسا کہ امور اسلامیہ میں مزاحم نہیں ہوتی اور اسی لیے ہندوستان کو محقق علماء دارالحرب نہیں کہتے ،بعضے من وجہ دارالحرب کہتے ہیں اور من وجہ دارالاسلام والمسلمین اور بعض دارالحرب من کل الوجوہ کہتے ہیں، اور اکثر دارالاسلام۔ خیر یہ دوسری بحث ہے؛ البتہ مجیب صاحب کے اس تعین مسئلہ میں اتفاق ہے، کیا اچھا ہو کہ سائلین اس سوال کا جواب ان علماء سے بھی لیں، جو ان بلاد اسلامیہ کے علماء ہوں، جن میں تسلط بھی اسلامی ہو اور کیا اچھا ہو کہ سائلین ایک درخواست اس باب میں بھی کہ محکمہ خفیہ میں اہلِ تورع اہلِ شہادت؛ بل کہ علماء مقرر کیے جایا کریں؛ کیوں کہ فساق کی رپورٹوں پر فتنہ عظیم مضرہ؛ بل کہ راس المضار رونما ہوا کرتے ہیں منضم فرماویں، اور نیز ایک درخواست کم از کم امارتِ اسلامیہ نظامیہ ہی کے ارباب حل وعقد کے یہاں بھجوا دیں، مناسب معلوم ہوتی کہ ایک مدرسۃ القضاۃ و

الجواسیس المعتبر ہ کا اجراء قبل منظوری درخواست نہیں تو معاً امید ہے۔ واللہ اعلم!

ولایت احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ عالیہ فتح پوری، دہلی

(۹۳) میں نے اس سوال و جواب کو دیکھا بہت درست اور صحیح ہے، جواب مدلل لکھا ہے، مسلمانوں کی ضروریات شرعیہ میں قاضی - صاحب حکومت ہونا - اس کی سخت ضرورت ہے، جو کچھ لکھا ہے اس سے امید انجام مرام ہے۔ فقط

عبد الہادی مفتی ریاست بھوپال۔ ۹ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ

(۹۴) یا موفق۔ جواب مجیب صاحب میں حکم شرعی امور جواب طلب کا جو تحریر ہے اور تصویب جواب جناب مولوی مظہر اللہ صاحب و جناب مولوی کفایت اللہ و جناب مفتی صاحب ریاست ہذا کی صحیح و درست ہے۔ الداعی بالخیر خادم العلماء، **محمد یحییٰ** قاضی بھوپال

(۹۵) **محمد فاروق** غفرلہ، نائب قاضی معین رکن مجلس العلماء۔

(۹۶) **محمد عنایت اللہ** رکنِ مجلس العلماء ریاست بھوپال۔

(۹۷) **محمد عبد اللہ** عفی عنہ رکن مجلس العلماء بھوپال

(۹۸) مجھے مولوی کفایت اللہ صاحب کی رائے سے اتفاق ہے۔

محمد عبد العزیز پروفیسر ملیہ جامعہ عثمانیہ

(۹۹) مجھے بھی اس رائے سے اتفاق ہے۔ فقط! **شبیر علی** عفی عنہ پروفیسر عثمانیہ کالج

(۱۰۰) میں بھی ایک زمانہ سے سرکار سے تقرر قاضی کی درخواست کی ضرورت محسوس کرتا ہوں، جب سرکار انگریزی نے اس سے پہلے قضاۃ کو مقرر کیا تھا اور اب بھی ثالثی کی اجازت دیتی ہے، تو مجھے امید ہے کہ اس میں بھی دریغ نہ کرے گی۔ فقط

سینیر پروفیسر شعبہ دینیات ملیہ جامعہ عثمانیہ کالج **محمد عبد المقتدر**

(۱۰۱) سید شاہ مصطفیٰ، پروفیسر عثمانیہ کالج حیدرآباد۔

(۱۰۲) مجھ کو بھی مولوی کفایت اللہ صاحب کی رائے سے کامل اتفاق ہے۔

ظہیر الدین احمد پروفیسر عثمانیہ کالج

(۱۰۳) مسلم ممبران کونسل کو حکومت سے درخواست تقرر قاضی مسلم کی کرنی اور اس میں کوشش کرنی اور دوسرے مسلمانوں کو ان کی مدد کرنی ضروری ہے اور جو وجوہات مجیب نے ظاہر کی ہیں صحیح ہیں۔ حمد اللہ مقام پانی پت۔

(۱۰۴) هذا الجواب صحيح۔ **عبد الرحیم** بقلم خود

(۱۰۵) من أجاب فقد أصاب۔ بندہ عبد الحمید خان بقلمِ خود

(۱۰۶) هذا الجواب صحيح و الرأي نجيح۔

خاکسار **محمد** ابراہیم گورنمنٹ پنشنر پانی پتی

(۱۰۷) **هو ملهم الصواب و به التوفيق و به الاعتصام، نحمده و نصلّے على رسوله سيد الأنام:** اخلاقی معاشرت و تمدنی زندگی و اتفاقی معیشت صرف بباعث احکام شرعیہ - کہ جو بلسان علم الفقہ معاملات سے تعبیر کیے جاتے ہیں۔ بحسن نظم و نسق قائم ہوسکتی ہے، اور بقا مادام العمل باقی رہ سکتی ہے ورنہ نہیں، آج اسلامی پبلک نعل در آتش بے تاب اور بے چین، بے آرام ہے، تو کیوں احکام شرعیہ کا - جن کی صفت شان بدونہا العدل بین الناس لم یقم ہے- نفاذ نہیں ہے، اور قواعدِ شرعیہ اور مسائل بہ نفسہا مفید بدون نفاذ نہیں ہو سکتے، پس ضرورت ثابت کر رہی ہے کہ نافذ الاحکام حاکم شرعی سر بہ سر فرض ہے، اجتماعی حالت میں اہلِ اسلام قائم کر کے عہدہ قضاء کو بذریعہ درخواست حکومت سے حاصل کرنا چاہیے، اہلِ اسلام کی حالت اس وقت اس درجہ ناگفتہ بہ پر پہنچ چکی ہے، دنیا تو گئی تھی

آخرت بھی ہمردیف ہوگئی۔ فانظر إلی ما قال حضرت شاہ صاحب رئیس المحدثین جناب شاہ ولی اللہ صاحبؒ دہلوی۔ فی حجۃ اللہ البالغہ: ص۳۵۱، مطبع: صدیقی بریلی:

القضاء اعلم أن من الحاجات التي يكثر وقوعها ويشتد مفسدتها المناقشات فى الناس؛ فإنها تكون باعثة على العداوة والبغضاء وفساد ذات البين، ويهيج الشح على غمطه العق وأن لاينقاد للدليل، فوجب أن يبعث في كل ناحية من يفصل قضاياهم بالحق ويقهرهم على العمل به، أشاروا أم أبوا ولذلک كان النبي ﷺ يعتني ببعث القضاة اعتناء شديداً، ثم لم يزل المسلمون على ذلک الخ۔ ولكن بعد حصول المرام يقلد قلدة فى عنق جماعة العلماء المستندين الطالبين للحق والطالبين للدار الآخرة المحافظين لها خاليةً عن إيداء الجهال والطالبين للدنيا۔ فقط!

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين والصلاة على نبينا رحمة للعلمين!

۱۲/۲۸/۹/۳۹ء/۷/۲۷/۳/۱۸ھ

العبداحقر **محمد ابراہیم**، ساکن پانی پت محلہ: زیرقلعہ

(۱۰۸) الجواب حق والحق أحق أن يتبع۔

محمد عبدالحلیم انصاری، پانی پتی محلہ انصار پانی پت

(۱۰۹) بےشک ہندوستان میں مسلمان قاضی کا مقرر ہونا نہایت ضروری ہے، جمعیت علماء نے باتفاقِ آراء اپنے اجلاس ہائے کلکتہ وغیرہ میں اس کی ضرورت کو نہایت وضاحت سے دکھلایا ہے اور بارہا اس کے اجراء کی طرف گورنمنٹ کو توجہ دلائی ہے، مسلمانوں کو پرزور اس کا مطالبہ کرنا لازم ہے، جمعیۃ العلماء کے ریکارڈوں میں اس کی تجاویز

موجود ہیں اور ’’الجمعیۃ‘‘ کے کالموں میں اس کے متعلق مفصل ابحاث آ چکی ہیں۔ واللہ اعلم!

حسین احمد غفرلہ (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند)

(۱۱۰) الجواب صحیح۔ بندہ محمد مرتضیٰ حسن عفی عنہ (ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند)

(۱۱۱) الجواب جواب۔ بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ (صدر مدرس دارالعلوم دیوبند)

(۱۱۲) ہندوستان میں نصبِ قضا نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنے معاشرتی، تمدنی، دینی جو مصائب پیش آ رہے ہیں، وہ اُن کی مذہبی روح کے لیے مرض مہلک سے کم نہیں، یہ غلط ہے کہ انہوں نے اس ضرورت کا احساس نہیں کیا، یا مشکلات نے ان کو پریشان نہیں کیا، وہ ہر زمانہ میں اس مصیبت کی وجہ سے پریشان رہے، اس کی دلیل میں وہ فتاوی پیش کیے جا سکتے ہیں، جو ہزاروں کی تعداد میں لکھے جاتے رہے ہیں، جن میں بدرجۂ مجبوری یہ بھی لکھ دیا جاتا تھا کہ کسی مسلم ریاست میں جا کر فیصلہ کرا لیا جاوے، اگر تفحص کیا جاوے تو اس قسم کے فتاوے ہزاروں کی تعداد میں ملیں گے، ہاں! یہ ضرور ہے کہ اس خاص طریقہ سے مسلمانوں نے اب تک درخواست نہیں کی، تو ظاہر ہے کہ کسی ایک مصیبت زدہ کا عرصہ تک مصیبت میں گرفتار رہ کر ازالۂ مصیبت کے طریقہ سے ناواقف ہونے یا کسی دوسری وجہ سے ازالۂ مصیبت کی خاص تدبیر پر عمل نہ کرنا اس کی دلیل نہیں ہے کہ اس کی مصیبت کا ازالہ بھی نہ کیا جاوے، یا اس کو مصیبت پر راضی مان لیا جاوے، بناءً علیہ میں مسلمانوں سے عموماً اور قوانین رائج الوقت سے واقف کار حضرات کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ وہ گورنمنٹ کو توجہ دلاویں کہ مسلمانوں پر اس احسان کے کرنے میں تامل نہ کرے۔

محمد اعزاز علی غفرلہ مدرس دارالعلوم دیوبند، ۶/ربیع الاول ۱۳۴۷ھ

(۱۱۳) اہلِ اسلام کو قاضی کی ضرورت مسائلِ مذکورہ وغیرہ میں شدید ہے، ان کا فرض مذہبی ہے کہ حکومت سے اس کا تقرر کرائیں، ورنہ مفاسد کثیرہ لازم آتے ہیں۔

کمالا یخفٰی۔فقط کتبہ الاحقر **عبداللطیف**

مدرس وناظم مدرسۂ عربی مظاہر علوم سہارن پور، مؤرخہ ۱۸؍ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ

(۱۱۴) تمام جوابات صحیح ہیں۔ بندہ **عنایت الٰہی** عفی عنہ

مہتمم مدرسۂ عربی مظاہر علوم سہارن پور، ۱۸؍ربیع الثانی، ۱۳۴۷ھ

(۱۱۵) الجواب صواب۔**ضیاء احمد** عفی عنہ، مفتی مدرسۂ عربی مظاہر علوم سہارن پور

(۱۱۶) واقعی اہلِ اسلام کے بہت سے اہم امور قاضی مسلم بااختیار پر موقوف ہیں۔

بندہ **عبدالرحمن** غفرلہ صدر مدرس مدرسۂ عربی مظاہر علوم سہارن پور

(۱۱۷) مسلمانوں کو ہمیشہ کے مصائب کا دفعیہ کرنے کے لیے مذکورالصدر کوشش ضروری ہے تاکہ کوئی واقف کار عالم اکمل اس داہیہ عظمیٰ سے نجات دے سکے۔

محمد چراغ، مدرس مدرسہ انوار العلوم جامع گوجرانوالہ

(۱۱۸) جو کچھ اس رسالہ میں لکھا ہے مسلمانوں کے لیے نہایت ضروری ہے، بہت سے مصائب سے نجات ہوگی، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس امر میں مسلمانوں کو کامیاب کرے، ہر مسلم پر کوشش کرنا لازمی ہے۔

محمد خلیل عفی عنہ، مدرس مدرسہ انوار العلوم جامع گوجرانوالہ۔

(۱۱۹) بلاشک قاضی کا تقرر وقت کی اہم ضرورتوں سے ہے اور بہت سے ماضی و مستقبل کی مشکلوں کا حل اسی میں مضمر ہے؛ لیکن اس سے زیادہ ضروری مسئلہ قاضی کے انتخاب کا ہے قاضی ائمہ اربعہ کی فروع پر حاوی ہونے کے علاوہ کتاب وسنت کا ماہر ہونا

چاہیے، تاکہ عند الفصل فروعِ مختلفہ میں مدعی و مدعا علیہ کے خیالات وعقائد کو صحیح طور پر سمجھ سکے، اور مناسب فیصلہ صادر کر سکے، ایسا نہ ہو کہ تقرر قاضی مسلمانوں کے لیے مزید انتشار کا باعث ہو، **اللھم ألّف بین قلوبنا** - اور سب سے زیادہ ضرورت یہ ہے کہ قاضی احکامِ شرعیہ کے اجراء میں حکومت کی پابندیوں سے آزاد ہو، ورنہ اس کا وجود وعدم برابر ہوگا، غرض مسلمانوں کو اِس معاملہ میں پوری جمعیت اور سعی سے کام لینا چاہیے۔

عبدربہ **اسماعیل**، گوجرانوالہ

(۱۲۰) میں مندرجہ بالا مضمون کا حرفاً حرفاً مؤید ہوں، جو کچھ لکھا ہے درست ہے، مسلمانوں کو سعی کرنا لازم ہے۔ فقط　　　**محمد عبدالعزیز**، خطیب جامع گوجرانوالہ

(۱۲۱) المجیب مصیب! بے شک عالم محقق بہترین ومنصف کو سرکار گورنمنٹ سے قاضی مقرر کرنا اشد ضروری ہے کیوں کہ بعض احکام شرعیہ کا وجود قضاء قاضی پر موقوف ہے، چناں چہ مجیب صاحب بطور نمونہ تحریر کر چکے ہیں۔ **محمد غازی** عفی عنہ، از گولڑہ شریف

(۱۲۲) **القضاء أمر من أمور الدین و مصلحة من مصالح المسلمین یجب العنایة به لان بالناس إلیه حاجة عظیمة۔ و الله وفق من سعی لما یرضی۔**

غلام محمد عفی عنہ، مقیم گولڑہ شریف

(۱۲۳) سوالاتِ مذکورہ کے جو جوابات اس تحریر میں مندرج ہیں، سب صحیح موافق فقہ کے ہیں اور عین آرزوئے قدیم ہم اہلِ اسلام کے ہیں، امید قوی ہے کہ گورنمنٹ توجہ کریمانہ فرما کر اس ہماری آرزو کو سرانجام فرما کر ممنون فرماوے گی۔

مولوی **اسماعیل** از گھوٹکی، ضلع سکھر سندھ

(۱۲۴) **الجواب صحیح۔**　　　**موسیٰ شاہ** از گھوٹکی، ضلع: سکھر سندھ

(۱۲۵) فاضل مجیب نے جو جوابات سوالاتِ مذکورہ کے دیے ہیں سب صحیح ہیں، ہمیں معلوم نہیں کہ اہلِ اسلام میں سے اِس مسئلہ (نصب قضاء) میں اوراس کی اہمیت میں کسی کا اختلاف ہو،قومِ مسلم جومطالبات گورنمنٹ برٹش سے کرنی چاہتی ہے ان میں سے اس مطالبہ کا پہلا نمبر ہے؛ لہذا ہم عارض ہیں کہ سرکارِ عالیہ اس کی طرف جلدتر اپنی توجہ کو منعطف فرماوے کہ باعثِ خوشنودی ایک بڑا حصہ رعایا کا ہوگا۔

ھاوانا المولوی **نور محمد**، المدرس الاول فی المدرسۃ قاسم العلوم الواقعہ فی بلدۃ گھوٹکی من ضلع سکھر سندھ، ۱۷/ربیع الثانی/۱۳۴۷ ہجری

(۱۲۶) جو جوابات اس استفتاء میں مندرج ہیں سب باصواب اور مسئلہ بے جواب ہیں اور مجیب مصیب ہے اورسرکار عالیہ کی خدمت میں التماس ہے کہ مندرجہ اس تحریر کے مسائل محمدیہ کہ شعار اسلام کے ہیں گورنمنٹ میں منظوراور پاس کروادیں کہ قومِ مسلم آپ کے احسان کی مرہون ہوگی۔

المصحح المولوي ابو یوسف نور محمد کندوی

المدرس الثانی فی المدرسۃ الاسلامیۃ قاسم العلوم من بلدۃ گھوٹکی، ضلع: سکھر سندھ ۱۷/ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ مطابق: ۲/اکتوبر ۱۹۲۸ء

نوٹ: جمعیۃ العلماء نے باتفاقِ آراء اجلاس کلکتہ وغیرہ میں اس کی ضرورت کو دکھایا تھا، جمعیۃ کے ریکارڈوں میں اوراخبار الجمعیۃ کے کالموں میں اس کی کاپی موجود ہے۔فقط

نوٹ: اس رسالہ کی اصل کتب خانہ مدرسۂ عربی مظاہر علوم سہارنپور میں محفوظ ہے!

القول الماضی فی نصب القاضی

(شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد تھانویؒ مصدقہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ آج کل بعض مسلمان ممبران کونسل گورنمنٹ سے یہ درخواست کرنے والے ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے منصب قضا قائم کر دیا جائے اس کے متعلق چند امور دریافت طلب ہیں۔

(۱) کیا شرعاً مسلمانوں کے لیے نصب قاضی ضروری ہے؟

(۲) قاضی کی تعریف کیا ہے اور کون شخص قاضی بن سکتا ہے؟

(۳) کن کن معاملات میں قاضی کی ضرورت ہے؟

(۴) جن معاملات میں قاضی کی ضرورت ہے ان میں حاکم غیر مسلم کا فیصلہ معتبر ہے یا نہیں؟

(۵) اگر کسی جگہ کے مسلمان بطور خود اتفاق کر کے فسخ نکاح وغیرہ کے لیے کسی کو قاضی بنا لیں تو وہ قاضی شرعی ہوگا یا نہیں اور اس کے فیصلے ان معاملات میں جن میں قاضی کی ضرورت ہے معتبر ہوں گے یا نہیں؟

(۷) مسلم ممبران کونسل جو درخواست نصب قاضی کے متعلق کونسل میں پیش کرنے والے ہیں اس میں عامۂ مسلمین کو ان کے ساتھ اتفاق کرنا چاہیے یا نہیں اور اس معاملہ میں ہم کو کوشش کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب

قاضی شرعی کا قائم کرنا مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے جہاں قدرت ہو جیسے دارالاسلام اور جہاں قدرت نہ ہو جیسے ہندوستان تو وہاں حکومت سے اس کے متعلق درخواست کرنا ضروری ہے۔

قال في البدائع فنصب القاضي فرض لأنه ينصب (لإقامة مفروضٍ و هو القضاء قال الله سبحانهٗ و تعالٰى لنبينا المكرم عليه أفضل الصلاة و السلام فاحكم بينهم بما أنزل الله و القضاء هو الحكم بين الناس بالحق و الحكم بما أنزل الله عزو جل فكان نصب القاضي لإقامة الفرض فكان فرضاً ضرورةً وقد سماه محمد فرضية محكمة لأنه لايحتمل النسخ لكونه من الأحكام التي عرف وجوبها بالعقل والحكم العقلي لايحتمل الانتساخ والله اعلم۔اه! ملخصا

(۲) في العالمگيرية والقضاء في الشيء قول ملزم يصدر عن ولاية عامة كذا في خزانة المفتين ولا تصح ولاية القاضى حتى يجتمع في المولٰى شرائط الشهادة كذا في الهداية من الاسلام والتكليف والحرية كونه غير اعمى ولا محدوداً في القذف ولا اصم ولا اخرس واما الاطرش الذي يسمع القوى من الاصوات فالاصح جوازتوليته كذا في النهر۔اه (ص ۱۲۰ ج ۴) وفي الدر المختار القضاء شرعاً فصل الخصوصات وقطع المنازعات وار كانه ستة حكم و محكوم به ومحكوم له و محكوم عليه وحاكم و طريق وأهله أهل

الشهادة و الفاسق أهلها فيكون اهله لكنه لا يقلد وجوباً و ياثم مقلده كقابل شهادته به يفتى اھ۔ (فتاویٰ ہندیہ: ص ۴۶۴ ج ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ قاضی کے لیے صاحب حکومت ہونا رکن قضا ہے جس مقام پر وہ قضا کرتا ہے وہاں پر اس کی ولایت وحکومت عام ہو (گوکسی خاص فرقہ ہی پر ہو) اور گو خاص خاص معاملات ہی میں ہو۔ **قال في ردالمحتار ثم القاضي تتقيد ولايته بالزمان والمكان والحوادث اھ۔** (ص ۴۶۲ ج ۴) غیر صاحب حکومت قاضی نہ ہوگا اور صحت قضا کے لیے قاضی میں ان اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔ مسلمان ہو، کافر نہ ہو، عاقل بالغ ہو، آزاد ہو، غلام نہ ہو، سوانکھا ہو، اندھا نہ ہو، محدود فی القذف نہ ہو اور بہرا گونگا نہ ہو، باقی اونچا سنتا ہو تو اس کا مضائقہ نہیں اور ضروری ہے کہ قاضی عالم بھی ہو اگر مسلمان جاہل کو قاضی بنادیا گیا اور وہ مقدمات میں علماء سے استفتاء کر کے فیصلہ کردے یہ بھی ممکن ہے؛ مگر بہتر نہیں کیوں کہ علماء کے جواب کو بخوبی سمجھنے میں جاہل سے کوتاہی ہوگی اور غلطی کرے گا اور عالم کے ہوتے ہوئے جاہل کو قاضی بنانے سے مسلمان گنہگار رہوں گے جب کہ حکومت کی طرف سے ان کو انتخاب کا حق دیا جاوے اور اگر فاسق کو قاضی بنادیا جاوے تو وہ قاضی ہو جاوے گا؛ مگر فاسق کو قاضی بنانا جائز نہیں اور فاسق وہ ہے جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور توبہ نہ کرے یا صغیرہ پر اصرار کرتا ہو باقی جن مسائل میں قضاء قاضی شرط ہے جن کا ذکر آگے آتا ہے ایسے مسائل میں حاکم کافر کا فیصلہ ہرگز کافی نہیں حاکم کافر کے فیصلہ سے نہ نکاح فسخ ہوسکتا ہے نہ طلاق واقع ہوسکتی ہے نہ ثبوت نسب ہوسکتا ہے نہ مفقود کو میت کہا جاسکتا ہے، وغیر ذلک!

(۳و۴) شریعت محمدیہ اور ملت اسلامیہ میں بعض معاملات ایسے ہیں جن میں قاضی شرعی یعنی حاکم مسلم کا فیصلہ ہی معاملہ کو فیصل کر سکتا ہے حاکم غیر مسلم کا فیصلہ اُن معاملات میں کسی وجہ میں بھی مفید نہیں ہوسکتا؛ بل کہ شرعاً حاکم غیر مسلم کا فیصلہ ان معاملات میں کالعدم اور غیر قابل اعتبار ہے۔

نمونہ کے لیے میں چند مسائل کا ذکر کرتا ہوں جن میں مسلمانان ہند کو قاضی شرعی کی سخت ضرورت پڑتی ہے۔

(۱) کسی لڑکی کا نکاح بلوغ سے پہلے اُس کے ولی نے جو باپ دادا کے سوا ہو کر دیا اور بالغ ہونے پر لڑکی اس نکاح سے راضی نہیں تو اس نکاح کو قاضی شرعی چند شرائط کے ساتھ فسخ کر سکتا ہے حاکم غیر مسلم اگر فسخ کرے گا تو وہ فسخ معتبر نہ ہوگا۔

(شامی معہ درمختار: ص ۴۸۶ ج ۲ و ہدایہ: ص ۲۵۷ جلد ۲)

(۲) کسی بالغ عورت نے اپنا نکاح خاندانی مہر سے کم مقدار پر یا کسی غیر کفو سے بدون رضائے ولی کے خود کر لیا تو اصل مذہب میں خاندان والوں کو حق دیا گیا ہے کہ وہ قاضی کی عدالت میں دعویٰ کر کے پہلی صورت میں مہر پور کرالیں اور دوسری صورت میں نکاح کو فسخ کرادیں۔ (شامی معہ درمختار: ص ۴۸۶ ج ۲ و ص ۵۳۱ ج ۲)

فسخ کرنا قاضی ہی کا کام ہے دوسرے کا نہیں۔

(۳) کسی شخص نے اپنے بیٹے کی بیوی سے زنا کیا یا بدنیتی سے ہاتھ لگایا تو یہ عورت اپنے شوہر کے لیے حلال نہیں رہی؛ مگر نکاح اس وقت تک نہیں ٹوٹتا جب تک قاضی نکاح کو فسخ نہ کرے یا زوجین خود قطع تعلق نہ کردیں اور آج کل بعض دفعہ شوہر قطع تعلق نہیں کرتا تو بدون قاضی شرعی کے ایسی عورتوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ (شامی معہ درالمختار: ص ۴۶۳ ج ۲)

(۴) شوہر نامرد ہو اور بیوی کو طلاق بھی نہ دیتا ہو تو اس نکاح کو ایک سال کی مہلت دینے کے بعد قاضی فسخ کر سکتا ہے۔ (عالمگیری: ص ۱۵۷ ج ۲)

بدون قاضی کے ایسی صورت میں عنین کی بیوی کو سخت مصیبت کا سامنا ہے۔

(۵) اسی طرح شوہر مجنون ہو جاوے تو اُس کے نکاح کو بھی قاضی ہی فسخ کر سکتا ہے۔

(عالمگیری: ص ۱۵۷ ج ۲)

(۶) کسی عورت کا خاوند لا پتہ ہو جاوے تو اس کی بیوی کو ایک خاص مدت کے بعد جس کی تحقیق کتب مذہب میں ہے قاضی شرعی مفقود کے نکاح سے خارج کر سکتا ہے۔

(عالمگیری: ص ۱۷۶ ج ۳)

(۷) اگر شوہر کسی وقت اپنی بیوی کو زنا سے متہم کرے یا اس کی اولاد غیر مرد کی بتلاوے تو عورت عدالت قاضی میں مرافعہ کر کے لعان کر سکتی ہے اور اپنی ہتک حرمت کا بدلہ لے سکتی ہے جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو شوہر کو اگر وہ جھوٹا ہوا اس تہمت کی سزا ملے گی یا نکاح فسخ کرا دیا جائے گا۔ (عالمگیری: ۱۵۱ و ۱۵۲ ج ۲)

(۸) اگر کسی نابالغ لڑکی کا کوئی ولی نہ ہو اور پرورش کے لیے جلدی نکاح کرنے کی ضرورت ہو تو ایسی لاوارث لڑکیوں کا ولی قاضی ہے۔ (عالمگیری ص ۱۱ ج ۲) بدون قاضی شرعی کے ان مسائل میں مسلمانوں کو بڑی دقت کا سامنا ہوتا ہے ہم نے مدارس عربیہ میں ایسے سوالات کے جوابات میں علماء کو یہی لکھتے ہوئے دیکھا ہے کہ اگر قاضی شرعی مفقود کی موت کا حکم کر دے یا عنین کا نکاح فسخ کر دے تو عورت دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے اور قاضی نہ ہو تو عورت کو بجز صبر کے کچھ چارہ نہیں۔

(۹) اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے کر یہ دعویٰ کرے کہ میں نے ہوش و حواس کی حالت میں طلاق نہیں دی؛ بل کہ مدہوش یا مغلوب الغضب تھا تو اس صورت میں

عورت کو شوہر کے اس قول کی تصدیق جائز نہیں ؛ بل کہ اس مقدمہ کا مرافعہ قاضی کی عدالت میں لازم ہے اگر وہ اس طلاق کو تسلیم نہ کرے جس کے خاص شرائط ہیں تب تو عورت شوہر کے پاس رہ سکتی ہے ورنہ نہیں رہ سکتی ہے۔ (شامی مع الدر باب طلاق المدہوش: جلد ۲)

(۱۰) کسی نے نکاح فاسد کرلیا تو اس نکاح کو قاضی ہی فسخ کر سکتا ہے یا شوہر بیوی کو خود چھوڑ دے۔ (عالمگیری ص ۴۰ ج ۲) اگر وہ نہ چھوڑے تو بدون قاضی کے عورتوں کو اس حالت میں سخت مصیبت کا سامنا ہے۔

یہ چند مسائل صرف باب نکاح وطلاق کے بطور نمونہ کے عرض کئے گئے ہیں باقی ابواب نسب، وقف و میراث وغیرہ میں جو لیے مسائل قاضی شرعی کے وجود پر موقوف ہیں وہ اس سے بھی زیادہ ہیں جن میں بدون قاضی کے مسلمانان ہند کو سخت تکلیف ہے اور اس تکلیف کو وہ بدون گورنمنٹ کی امداد کے حل نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ قاضی کے لیے مسلم ہونے کے ساتھ صاحب حکومت ہونا بھی ضروری ہے اگر کسی جگہ کے مسلمان از خود کسی کو قاضی بنانا چاہیں تو وہ قاضی نہ ہوگا محض حکم اور ثالث ہوگا جس کا فیصلہ اسی وقت مفید ہوسکتا ہے جب کہ مدعی و مدعا علیہ دونوں اپنا معاملہ اس کے سپرد کردیں اور اگر ایک فریق سپرد کرنا چاہے دوسرا نہ چاہے تو اس صورت میں ثالث اور حکم کا فیصلہ کسی درجہ میں بھی معتبر نہیں۔

قال في العالمگيرية والقضاء في الشرع قول ملزم يصدر عن ولاية عامة ولا تصح ولاية القاضي حتى يجتمع في المولى شرائط الشهادة كذا في الهداية من الإسلام والتكليف والحرية الخ۔ (عالمگیری: ص ۱۶۰ ج ۴)

وفيها ايضاً وإذا اجتمع أهل بلدة على رجل وجعلوه قاضيا يقضي فيما بينهم لا يصير قاضيا الخ۔ (عالمگیری: ص ۱۴۶ ج ۴)

ان عبارات میں تصریح ہے کہ قاضی کے لیے مسلمان ہونا صاحب حکومت ہونا شرط ہے اور یہ کہ کسی جگہ کے مسلمان از خود کسی کو قاضی بنالیں تو وہ قاضی نہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ صاحب حکومت قاضی وہی ہوسکتا ہے جو سلطنت کی طرف سے مقرر کیا جاوے اس لیے گورنمنٹ کی امداد کے اس مسئلہ میں مسلمانان ہند سخت محتاج ہیں کیوں کہ بدون قاضی کے بعض مسائل میں اُن کا دین برباد ہوتا ہے اور غیر مسلم حکام کا فیصلہ ان مسائل میں جو قضاء قاضی کے محتاج ہیں محض لغو اور کالعدم ہے اس لیے مسلمانوں کو نہایت التجا کے ساتھ گورنمنٹ سے درخواست کرنا چاہیے کہ وہ ہندوستان میں منصب قضاء کو قائم کر کے اپنی مسلم رعایا کو ان مشکلات سے نجات دے اور جب تک منصب قضاء کی تجویز مکمل ہو اس وقت تک کے لیے کم از کم یہی قانون مقرر کر دیا جاوے کہ جو مسائل قضاء قاضی کے محتاج ہیں ان کا فیصلہ غیر مسلم حکام نہ کریں؛ بل کہ ایسے مقدمات مسلم حکام ہی کے سپرد ہوں اور مسلم حکام کو ہدایت کی جائے کہ ان مسائل میں علماء سے صورت مقدمہ بیان کر کے شرعی حکم حاصل کریں اور شرعی فتوے کے مطابق مقدمہ کا فیصلہ کر دیں اور اپنے فیصلہ کے ساتھ عالم کے فتوے کو بھی نتھی کر دیا کریں۔ جیسا کہ میراث وتقسیم ترکہ کے مقدمات میں اب بھی ایسا ہی کیا جاتا ہے اگر یہ صورت بھی ہو جائے تو مسلمانان ہند کی مشکلات بہت کچھ کم ہو جائیں گی ہمیں قوی امید ہے کہ گورنمنٹ ہماری اس درخواست پر ضرور توجہ کرے گی اور اپنی مسلم رعایا کو شکر وامتنان کا موقع دے گی۔

والله المستعان فی کل باب وهو المیسر لکل صعاب

(۵) قال في الدر ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كان كافرا ذكره مسكين وغيره إلا إذا كان يمنعه عن القضاء بالحق فيحرم۔ اھ

(کذا فی الدر المختار: ص ۴۶۸ جلد ۴)

وفي العالمگيرية والإسلام ليس بشرط أي في السلطان الذي يقلد اه

(کذا فی التاتارخانیۃ:ص۱۶۰ ج ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان میں اگر گورنمنٹ اپنی طرف سے کسی مسلمان کو قاضی بناوے اور جن مسائل میں قضاء قاضی کی ضرورت ہے ان میں اس کو فیصلہ کا اختیار دیدے تو وہ شرعی قاضی ہوجاوے گا اور اس کے فیصلے فسخ نکاح وایقاع طلاق وثبوت نسب وحکم موت مفقود وغیرہ میں نافذ ہونگے بشرطیکہ اس کو موافق حکم شرع فیصلہ کرنے کا اختیار دیا جائے خلاف حکم شرع فیصلہ پر مجبور نہ کیا جائے۔

(٦) قال في العالمگيرية وإذا اجتمع أهل بلدة على رجل وجعلوه قاضياً يقضي فيما بينهم لا يصير قاضياً ولو اجتمعوا على رجل وعقدوا معه عقد السلطنة أو الخلافة يصير خليفةً وسلطاناً اھ (کذا فی العالمگیریہ:ص۱۶۴ جلد ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان میں کسی جگہ کے مسلمان بطور خود بدون گورنمنٹ کی اجازت کے اگر کسی کو قاضی بنالیں تو وہ قاضی نہ ہوگا کیوں کہ اس کی ولایت عامہ نہ ہوگی۔

(قلت فلا يرد عليه ما في رد المحتار (ص ۴۷۷ جلد ۴) وهذا حيث لا ضرورة والا فلهم أي للعامة تولية القاضي أيضاً كما يأتي بعده وقال بعد أسطر وأما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والاعياد ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين اه! فان معناه انه يصير قاضيا بتراضي المسلمين إذا حصلت له ولاية عامة في محل قضائه لما عرفت ان الولاية أحد أركان القضاء وأهل الهند لو جعلوا قاضياً منهم بتراضيهم لا يكون له ولاية على أحد أصلاً كما هو مشاهد من حالهم فافهم ۱۲ منه)

البتہ حکم ہو جائے گا جس کا فیصلہ اسی وقت معتبر ہوگا جبکہ مدعی اور مدعیٰ علیہ دونوں رضا مندی سے اپنے معاملہ کو اس کے سپرد کر دیں اور اگر ایک نے معاملہ سپرد کیا اور دوسرے نے سپرد نہ کیا تو اس صورت میں حکم کا فیصلہ کالعدم ہے اور فریقین باہمی رضا مندی سے اگر کسی کو حکم بنالیں اور وہ موافق حکم شرع فیصلہ کر دے تو اُسے بھی فسخ نکاح وغیرہ کا اختیار ہوگا اور اُس کے فسخ سے نکاح فسخ ہو جائے گا۔ یعنی جب معاملہ سپرد کر دیا گیا اور فیصلہ تک تحکیم سے کسی فریق نے رجوع نہ کیا تو اب حکم کا فیصلہ بھی مثل فیصلہ قاضی کے لازم و نافذ ہو جائے گا پھر کوئی فریق اس کو توڑ نہیں سکتا بشرطیکہ فیصلہ موافق حکم شرع ہو۔

قال الشامي: اما الحكم فشرطه أهلية القضاء و يقضى فيما سوى الحدود والقصاص اه (شامی: ص۴۶۲ ج ۴) **وفيه أيضًا التحكيم عرفا تولية الخصمين حاكماً يحكم بينهما بينة أو اقرار أو نكول ورضيا بحكمه (إلى ان حكم احتراز عما لو رجعا عن تحكيمه قبل الحكم أو عما لو رضى أحدهما فقط ۱۲** (شامی)، **صح لو في غير حد و قود دية على عاقلة لأن حكم المحكم بمنزلة الصلح وهذا لا تجوز بالصلح فلا تجوز بالتحكيم وينفرد أحدهما بنقضه أي التحكيم بعد وقوعه فان حكم لزمهما ولا يبطل حكمه بعزلهما لصدوره عن ولاية شرعية ا ه** (شامی: ص۵۴۰ ج ۴)

(۷) جب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ قاضی شرعی کا قائم کرنا مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ بعض معاملات میں حاکم غیر مسلم کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں؛ بل کہ حاکم مسلم کا فیصلہ ضروری ہے تو عامہ مسلمین پر ضروری ہے کہ وہ اپنی اس شرعی ضرورت کو گورنمنٹ کے سامنے پیش کر کے درخواست کریں کہ ہندوستان میں منصب قضاء کو قائم

کر کے اپنی مسلم رعایا کو مشکلات سے نجات دے۔ چوں کہ گورنمنٹ اپنی رعایا کو راحت رسانی کا بہت زیادہ خیال کرتی ہے۔ بالخصوص مذہبی معاملات میں اس کو ہر طرح آسانی بہم پہنچاتی ہے اس لیے قوی امید ہے کہ یہ درخواست منظور ہوگی۔

نیز جو مسلم ممبران کونسل اس مسئلہ کو کونسل میں پیش کرنے والے ہیں۔ ان کے ساتھ سب مسلمانوں کو اتفاق رائے ظاہر کرنا چاہیے اور ہر ضلع کے مسلمانوں کو اپنی طرف سے الگ الگ اس مسئلہ کی ضرورت ظاہر کرنا چاہیے کیوں کہ گورنمنٹ کی طرف سے جو بے توجہی اب تک اس مسئلہ میں ہوئی ہے اُس کا سبب صرف یہ ہے کہ اُس کو ہنوز ضرورت کی اطلاع اہمیت کے ساتھ کسی نے نہیں کی۔ ضرورت پر مطلع ہو کر امید ہے کہ گورنمنٹ بہت جلد مسلمانوں کے حال پر توجہ فرمائے گی۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ، خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۴؍ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۶؍جون ۱۹۲۶ء

الجواب صواب بلا ارتیاب

اشرف علی

۴؍ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۶؍جون ۱۹۲۶ء

(بحوالہ النور محرم ۱۳۴۵ھ)

متفقہ فتویٰ

ازحضرات اکابر مظاہر علوم سہارن پور یوپی ہند

سوال: (۱) مسلمانان ہندوستان پر قاضی کا مقرر کرنا ضروری ہے یا نہیں

(۲) اور جن مسائل میں فقہاء نے قاضی کو ضروری قرار دیا ہے ان میں حاکم غیر مسلم کا فیصلہ کافی ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۳) اگر مسلمانان ہندوستان خود کسی کو قاضی بنالیں تو اس کو قاضی کہا جائے گا یا نہیں، یا گورنمنٹ سے درخواست کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنی طرف سے کسی مسلمان کو قاضی مقرر کرے۔

(۴) مثال کے طور پر چند ایسے مسائل بتلایئے کہ جن کا فیصلہ بدون قاضی مسلم نہیں ہوسکتا۔

الجواب الاول ازحضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ

(۱) مسلمانوں کے ذمہ قاضی کا مقرر کرنا فرض ہے، عالمگیری میں ہے: **نصب القاضي فرض كذا في البدائع وهو من أهم أمور المسلمين وأقوى وأوجب عليهم**۔ (ص۱۶۱ ج۴)

(۲) جن مسائل میں قضائے قاضی شرط ہے ان میں حاکم غیر کا فیصلہ شرعاً ہرگز کافی نہیں ہے کیوں کہ قضاء کے لیے قاضی کا مسلمان ہونا ضروری ہے، عالمگیری میں ہے:

ولا تصلح ولاية القاضي حتى يجتمع في الولي شرائط الشهادة كذا في الهداية من الإسلام و التكليف و الحرية و كونه غير أعمى لا محدودا في القذف ولا أصم ولا أخرس۔ (ص۱۶۰ ج۴)

عالمگیری میں لکھا ہے: **أربعة خصال إذا حصلت بالقاضي صار معزولاً ذهاب البصر و ذهاب السمع و ذهاب العقل و الردة كذا في خزانة المفتين القاضي إذا عمى ثم أبصر فهو على قضائه كما لو أسلم بعد الردة ولكن لا ينفذ قضائه في حال عماه۔** (ص۱۶۶ ج۴)

ان تصریحات سے ثابت ہے کہ حدوث قضا و بقاء کے لیے اسلام شرط ہے۔

(۳) قاضی کے لیے صاحب حکومت ہونا ضروری ہے کیوں کہ قضاء کے معنی ہی حکم کے ہیں لغۃً اور شرعاً بھی حکومت رکن قضا ہے، درمختار میں ہے "**وأركانه ستة على مانظمه ابن الفرس حكم و محكوم به وله و محكوم عليه و طريق**"۔ (درمختار مع الشامی: ص۱۶۴ ج۴) اور ظاہر ہے کہ جس شخص کو رعایا ازخود قاضی بنائے گی وہ صاحب حکومت نہ ہوگا، لہٰذا وہ قاضی شرعی بھی نہ ہوگا، عالمگیری میں ہے: "**إذا اجتمع أهل بلدة على رجل و جعلوه قاضيا يقضى فيما بينهم لا يصير قاضيا**" (ص ۱۴۶ ج ۴)، لہٰذا مسلمانان ہند پر واجب ہے کہ وہ گورنمنٹ سے درخواست کریں کہ مسلمان قاضی مقرر کردے جو ان مسائل کو جن میں قضاء قاضی کی شرعاً ضرورت ہے شریعت کے موافق فیصلہ کیا کرے اور ان قاضیوں کے لئے صاحب حکومت ہونا ضروری ہے۔

(۴) منجملہ ان مسائل کے جن میں قضائے قاضی مسلم شرط ہے مفقود ہے، یعنی اگر کوئی شخص اپنے وطن سے چلا جاوے اور لا پتہ ہو جائے تو اب اس کی بیوی کسی دوسرے

سے نکاح نہیں کرسکتی جب تک مفقود کی عمر نوے (۹۰) سال کی نہ ہوجائے، اور قاضی اس کی موت کا حکم نہ کرے اور قول مختار یہ ہے کہ مدت کی تعیین رائے امام وقاضی کے سپرد کی جائے جتنی مدت کے بعد امام وقاضی کے نزدیک اس کی موت کا ظن غالب ہو اس وقت وہ اس کی موت کا حکم کردے حکم قاضی کے بعد مفقود کی بیوی عدت وفات پوری کر کے دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔ عالمگیری میں ہے: لا یفرق بینه و بین امرأته و حکم بموته بمضی تسعین سنة و علیه الفتوی و في ظاهر الروایة یقدّر بموت أقْرانه و المختار أنه یفوض إلی رأی الإمام کذا في التبیین و إذا حکم بموته اعتدت امرأته عدة الوفاة من ذالک الوقت و قسم ماله بین ورثة الموجودین في ذلک الوقت و من مات قبل ذلک لم یرث منه کذا في الهدایة۔ (ص ۱۷۶ ج ۳)

اس مسئلہ کی آج کل سخت ضرورت پیش آتی ہے؛ مگر قاضی مسلم نہ ہونے کی وجہ سے سخت دشواری ہوتی ہے۔

منجملہ ان کے مسئلہ عنین ہے یعنی کسی عورت کا نکاح ایک ایسے شخص سے ہوا جو نامرد ہے، اب یہ عورت بدون شوہر کے طلاق دینے کے جدا نہیں ہوسکتی، اگر شوہر طلاق نہ دے تو یہ حکم ہے کہ عورت قاضی مسلم کے یہاں مرافعہ کرے قاضی بعد تفتیش حال موافق قاعدہ شرعیہ مذکورہ فقہ کے شوہر (کو) ایک سال شمسی کی مہلت دے، اگر ایک سال میں علاج وغیرہ سے وہ مرد ہوجائے فبہا ورنہ قاضی ایک سال کے بعد نکاح کو خود فسخ کردے اس کا مفصل حکم ہدایہ، عالمگیری باب العنین میں موجود ہے، قاضی مسلم نہ ہونے (کی وجہ سے) اس مسئلہ میں سخت دشواری پیش آتی ہے منجملہ ان کے مسئلہ طلاق مدہوش ہے یعنی اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو غصہ میں تین طلاق دیدے پھر یہ کہے میں غصہ میں بے خبر تھا اور یہ

طلاق مجھ سے بیخبری کی حالت میں صادر ہوئی اس صورت میں عورت کو جائز نہیں کہ شوہر کے اس قول کو تسلیم کرے؛ بل کہ اس مقدمہ کو قاضی مسلم کے یہاں پیش کرنا ضروری ہے، اگر قاضی مسلم بینہ اور یمین وغیرہ کے بعد یہ فیصلہ کردے کہ یہ طلاق بحالت بے خبری دیگئی ہے اور میں فیصلہ کرتا ہوں یہ واقع نہیں ہوئی اس وقت عورت اپنے شوہر کے پاس رہ سکتی ہے، اس کے بغیر اس کو جائز نہیں کہ شوہر کے پاس رہے؛ بل کہ علیحدہ ہوجانا ضروری ہے، شامی تنقیح فتاویٰ حامدیہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

منجملہ ان کی یہ صورت ہے کہ کسی عورت کا نکاح ایسے مرد سے ہوجائے جو مجنون یا معتوہ (مخبوط الحواس) ہے اور وہ اس سے مفارقت نہیں کرتا اس کا حکم بھی مثل عنین کے ہے کہ قاضی مسلم اس کو ایک سال کی مہلت دے اگر سال بھر میں مفارقت نہ کرے تو قاضی نکاح کو فسخ کردے، عالمگیر میں ہے: **والمعتوه إذا زوجه وليه امرء فلم يصل إليها أجله القاضي سنة كذا في فتاویٰ قاضیخان۔** (ص۱۵۶ ج۲)

منجملہ ان کے یہ صورت ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو نان نفقہ بھی نہ دیتا ہو اور طلاق بھی نہ دیتا ہو، اس کو بہت تنگ رکھتا ہو، اس میں بھی بعض صورتوں میں قاضی نکاح کو فسخ کرسکتا ہے بدون قاضی مسلم کے عورت کو نجات کی صورت کوئی نہیں،

منجملہ ان کے یہ صورت ہے کہ شوہر نکاح کے بعد مجنون ہوگیا یا مجذوم و مبروص ہوجائے تو اس صورت میں قاضی امام محمد کے قول پر عمل کرکے نکاح کو فسخ کرسکتا ہے، عالمگیری میں ہے: **قال محمد ان كان الجنون حادثا يؤجله سنة كالعنة ثم يخير المرءة بعد الحول إذا لم يبرء وإن كان مطبقا فهو كالجب و به نأخذ كذا في الحاوي القدسي۔** (ص۱۵۷ ج۲)

منجملہ ان کے یہ صورت ہے کہ شوہر اپنی بیوی کی ماں کو شہوت سے چھوے یا بوسہ وغیرہ لے، یا شوہر کا باپ اپنی بہو کے ساتھ ایسی حرکت کرے اس صورت میں بیوی اپنے شوہر پر حرام ہوجاتی ہے، ؛ مگر نکاح فسخ نہیں ہوتا، جب تک شوہر اس کو طلاق نہ دے یا متارکت نہ کرے اگر شوہر متارکت وطلاق سے انکار کرے تو اب بدون قاضی مسلم کے اس عورت کو کسی طرح نجات نہیں ہوسکتی، قاضی اس کو فسخ کرسکتا ہے۔

منجملہ ان کے یتیم ولاوارث لڑکیوں کا نکاح ہے، جس نابالغ لڑکی کا کوئی وارث نہ ہو شرعاً قاضی اس کا ولی ہے اس کا نکاح وہی کرسکتا ہے، بعض دفعہ یتیم لڑکی کا نکاح زمانہ نابالغی میں کرنا ضروری ہوجاتا ہے جبکہ اس کی پرورش کا کوئی انتظام نہ ہو، اس صورت میں بدون قاضی کے سخت دشواری پیش آتی ہے، یہ چند مثالیں بطور نمونہ ہیں ان کے علاوہ بہت سے مسائل ہیں جو قاضی مسلم کے وجود پر موقوف ہیں یہ ضرورتیں ہیں جن کی وجہ سے قاضی مسلم کی ہندوستان میں مسلمانوں کو سخت ضرورت ہے اور شرعاً مسلمانوں کے ذمہ اس عہدہ کا قائم کرنا فرض ہے جس کو وہ بدون گورنمنٹ کی امداد کے قائم نہیں کر سکتے، امید کہ گورنمنٹ مسلمانوں کی اس مسئلہ میں ضرور مدد کرے گی۔ واللہ الموفق!

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، ۱۴ / جمادی الثانیہ ۱۳۴۲ھ

الجواب الثانی از حضرت فقیہ النفس مولانا خلیل احمد انبیہٹوی ؒ

مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور

قاضیوں کا تقرر باعتبار روایات مذہب اہل اسلام نہایت ضروری اور فرض کا

درجہ رکھتا ہے جس کی بے انتہا تصریحات کتب فقہ میں موجود ہیں۔ خصوصاً ہندوستان میں جوایک غیر مسلم سلطنت کے زیر سایہ ہے اور محض قاضیون کے عدم تقرر سے طبقۂ اناث کو جو ایک نہایت عاجز وضعیف وکمزور رعایا ہے صدہا مقدمات میں حق تلفیاں ہورہی ہیں، طبقۂ اناث بوجہ اپنی کمزوری اور ناتعلیم یافتہ ہونے کے اپنی آواز گورنمنٹ تک نہیں پہنچاسکتی، اور نہ اپنے حقوق کا مطالبہ کرسکتی ہے، اگر مطالبہ کرے بھی تو بوجہ اس کے کہ سلطنت نے قاضیوں کے تقرر کی طرف توجہ نہیں فرمائی ان کے لیے کامیابی محال ہے کیوں کہ بدون حکم قاضی مسلم وہ اپنے مذہب کے اعتبار سے اپنا حق حاصل نہیں کرسکتی مثلاً کسی عورت کی نسبت کسی مسلمان شخص نے نکاح کا دعویٰ کیا کہ میرا نکاح اس سے ہوا ہے اور گواہوں کو کچھ دے کر شہادت پیش کردی عدالت غیر مسلم نے دعویٰ ڈگری کردیا تو باعتبار شرع محمدی وہ عورت اس کی منکوحہ نہیں ہوگی اور اگر کسی حاکم مسلم یعنی قاضی کی عدالت میں یہ مقدمہ پیش ہو اور قاضی مسلم دعویٰ ڈگری کردے تو باعتبار شرع محمدی وہ عورت اس کی منکوحہ ہوجائے گی؛ مگر شرط یہ کہ وہ عورت کسی وجہ سے پہلے اس مرد پر حرام نہ ہوچکی ہو، علی ہذا القیاس۔ اسی طرح صدہا مسائل ہیں کہ جن میں قاضی مسلم کے حکم کی سخت ضرورت ہے، کیوں کہ ایسی صورتوں میں اگر غیر مسلم حاکم کا حکم ہوگا تو وہ عورت مرد پر حرام رہے گی اور ہمیشہ زنا میں مبتلا رہے گی، لہٰذا ہندوستان میں نہایت ضروری ہے کہ مسلمان عورتوں کے احیاء حقوق کے لیے قاضیوں کا تقرر کیا جائے، سلطنت برطانیہ جس کو اپنی رعایا کے مذہب کے تحفظ کا بہت زیادہ خیال ہے اس نے اس فرض کو بالکل نظر انداز کررکھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی گورنمنٹ تک فرضیت ظاہر نہیں کی گئی اور مسلمانوں نے اس فرض حق کے ظاہر کرنے میں غفلت کی ورنہ ممکن نہیں تھا کہ اس طرف توجہ نہ ہوتی، بالجملہ مسلمانان ہندوستان کے لیے

قاضی مسلم کا تقرر نہایت ضروری ہے اور صد ہا مسائل میں حاکم غیر مسلم کا فیصلہ بروے مذہب اسلام کافی نہیں ہوسکتا، اور نیز بدون امداد حکومت اگر خود مسلمان کسی کو قاضی بنادیں تو اس کا حکم نافذ نہیں ہوسکتا۔ فقط **خلیل احمد** عفی عنہ ناظم مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور

الجواب صحیح۔ **عنایت الٰہی** عفی عنہ، مہتمم مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور

الجواب صحیح۔ **عبداللطیف** عفی عنہ، مدرس اول مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور

الجواب صحیح۔ بندہ ضیاء **احمد** عفی عنہ، مفتی مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور

الجواب صحیح۔ بندہ **منظور احمد** عفی عنہ، مدرس عربی مظاہر علوم سہارن پور

بلاشبہ مسلمانان ہندوستان مسلمانوں کے لیے کے لیے قاضی کا تقرر نہایت اہم اور ضروری ہے۔ بندہ عبدالرحمٰن کامل پوری، ناظم تعلیمات مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور

الجواب صحیح۔ **محمد** زکریا عفی عنہ (کاندھلوی) شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

الجواب صحیح۔

فقیر زکریا قدوسی (گنگوہی) شیخ التفسیر مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور

الجواب صحیح۔

احقر **ظہور الحق** عفی عنہ (دیوبندی) مدرس مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور

الجواب صحیح۔

صدیق احمد عفی عنہ (کشمیری) مدرس مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور

الجواب صحیح۔

عبدالرحمٰن اورنگ آبادی، مدرس مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور

الجواب صحیح۔ بندہ **احمد نور** غفرلہ، مدرس مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور

تحریک تقرر قضاۃ

فقیہ النفس حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری نور اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں:

حق جل وعلیٰ شانہ نے بنی نوع انسان کو متمدن پیدا فرمایا ہے اور تمدن کا مقتضی یہ ہے کہ باہمی حقوق کی کشاکشی سے نزاعت پیدا ہو۔ پھر نزاعات کے تصفیہ کے لیے قانون کی ضرورت واقع ہوئی اور اس کے نفاذ کے واسطے سلطنت کی۔ ہر ایک سلطنت نے اپنی رائے کے موافق یا اپنی قوم کی رائے کے موافق انتظامی اور سیاسی قانون مقرر کر رکھے ہیں جو اپنی رعایا میں نافذ کرتے ہیں۔

مگر اسلام کے واسطے وہ قانون الٰہی جو از سرتا پا مکمل ہے جس میں عبادات و معاملات، حقوق معاشرت، سیاسیات، اخلاقیات ہر ایک نوع سے عالم الغیب کی طرف سے مکمل ہو کر مسلمانوں کو ملا ہے، وہ ان کی دینی و دنیاوی بہبودی کے واسطے ان کا نصب العین ہے۔ حکومت برطانیہ جو آج کل مختلف قوموں پر حکمراں ہے اس کے سایۂ حکومت کے نیچے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی قوم آباد ہے۔ اس سلطنت نے سیاسیات اور انتظامیات کے متعلق ایک قانون نافذ کیا ہے جو تمام یا اکثر قوموں میں نافذ ہے؛ لیکن اپنی فیاضی سے ہر ایک قوم کو مذہبی آزادی عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا مذہبی نزاعات کے تصفیہ کے واسطے ہر ایک قوم کے مذہبی قانون کو پیش نظر رکھا ہے اور اس قوم کے مذہبی نزاعات کو اس

کے مذہبی قانون کے مطابق تصفیہ کرنے کی کوشش کی ہے؛ لیکن وہ نزاعات جو ان حقوق کے متعلق پیدا ہوتے ہیں اور جو باہم خاوند اور زوجہ کے فیما بین پیدا ہوتے ہیں ان کے متعلق ایک بہت بڑی فروگذاشت سلطنت (برطانیہ) کی طرف سے واقع ہو رہی ہے اور یہ فروگذاشت اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس نے دانستہ اس سے اغماض کیا ہو؛ بل کہ اس کی وجہ مسلمانوں کی غفلت ہے کہ انھوں نے اراکین سلطنت کو اس کی طرف توجہ نہیں دلائی اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جو نزاعات فیما بین خاوند اور بیوی کے واقع ہوتے ہیں ان میں علی العموم خاوند کی طرف سے ظلم ہوتا ہے اور بیویاں چونکہ نہ ان میں کسی قسم کی جرأت ہے نہ ہمت نہ تعلیم یافتہ، اس لیے وہ کسی طریقہ سے اپنی دادخواہی نہیں کرسکتی ہیں اور علی العموم ان کی آواز حکام کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی۔ ایسے نزاعات کہ جن میں عورت ظالم ہو اور مرد مظلوم بہت کم پائی جائیں گے۔

اس بے زبان فرقہ کی طرف سے مردوں کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ان کی ضروریات کی ترجمانی حکام کے سامنے کریں۔ صدہا نہیں؛ بل کہ ہزارہا عورتوں نے اس وجہ سے کہ ان کی رفع شکایت کے واسطے کوئی قاعدہ اور قانون سرکاری نہیں ہے فروگذاشت کی ہے جس کا حکام کے کانوں تک پہنچانا ہمارا مذہبی فرض ہے۔ اس لیے ہم نے ارادہ کیا ہے کہ ہم اس کی کوشش کریں کہ اس ضرورت کو حکام کے کانوں تک پہنچا دیں اور ان سے التجا کریں کہ توجہ فرما کر حکام بالادست اس واجب الرحم گروہ کے حال پر رحم فرما کر ہماری مذہبی استدعا کی طرف توجہ فرماویں۔ اور اس بے زبان گروہ کو اس طرح موت کے پنجہ سے بچاویں جس طرح اپنی تمام دوسری رعایا کی حفاظت کرتی ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مذہب اسلام میں فیما بین زوجین بہت سے ایسے مسائل نزاعی ہیں کہ جن میں قضائے قاضی شرط ہے جب تک قاضی اپنی قضا کا نفاذ نہ فرمادیں اس وقت تک باہمی تعلق قطع نہیں ہوسکتا اور نزاع رفع نہیں ہوسکتا۔ اور قاضی کے واسطے حسب قانون اسلام شرع شریف نے لازم کیا ہے کہ وہ مسلمان ہو۔ جب تک وہ مسلمان نہ ہو اس کا حکم بروئے شرع نافذ نہیں سمجھا جائے گا۔

پس کوئی غیر مسلم اگرچہ ہائی کورٹ کا جج ہی کیوں نہ ہو اس کا حکم بھی ایسے نزاعات میں بروئے قانون شرع کچھ قابل اعتبار نہیں۔ مثلاً ایک شخص ہے وہ اپنی عورت سے جدا ہو کر گھر سے نکل گیا اور اس کی موت وزندگی کا چند سال تک کچھ پتہ نہ چلا اور اس کی عورت کسی طرح اپنا گزارہ نہیں کرسکتی، نہ اس کے والدین ہیں کہ اس کی خبر گیری کریں۔ اور نہ کوئی دوسرا ایسا شخص ہے کہ جس سے اس کو جائز اعانت مل سکے۔

ایسی حالت میں اگر اس کے نکاح کے فسخ کی کوئی صورت نہ ہو تو بجز اسکے کہ وہ تڑپ تڑپ کر بھوکی مرجائے اور کوئی سبیل نہیں۔

لہٰذا شریعت اسلام نے اس کی گلو خلاصی کے واسطے یہ سبیل مقرر کی کہ وہ کسی مسلمان حاکم کے یہاں دعویٰ کرے اور وہ حاکم اس کا نکاح فسخ کردے تو وہ عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے اور وہ اس صورت میں اپنی زندگانی بسر کرسکتی ہے۔ مثلاً اس کا خاوند ایسا مریض ہوگیا کہ حقوق زوجیت ادا نہیں کرسکتا مثلاً مجنون ہوگیا یا جذامی ہوگیا اس صورت میں بھی جب کہ عورت کی درخواست پر نکاح فسخ کردے تو وہ عورت اس بلا سے نجات پاکر آسائش کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرسکتی ہے۔ مثلاً کسی ولی بعید نے اپنی ولایت کی رو سے کسی نابالغہ کا نکاح کسی سے کردیا تو شرعاً بلوغ کے وقت اس لڑکی کو نکاح

کے فسخ کرانے کا اختیار ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ قاضی یعنی حاکم مسلمان فسخ کر دے۔

اس قسم کے صد ہا مسائل اور نزاعات ہیں کہ جن میں قضائے قاضی کی مسلمان کو ضرورت ہے، ایسے مسائل میں حاکم مسلم کے نہ ہونے سے صد ہا عورتیں ظلم کا شکار ہوتی ہیں شرعی حرام میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔

اس لیے ہماری استدعا یہ ہے کہ سلطنت برطانیہ اپنی عام فیاضی سے اس مذہبی فرض کو بھی مسلمانوں کے واسطے منظور فرما کر احسان کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایسا قانون نافذ فرمایا جائے کہ ہر ضلع میں ایک مسلمان حنفی عالم قاضی مقرر فرمایا جاوے اور جس ضلع میں مسلمانوں کا کوئی دوسرا گروہ بھی ہو وہاں ایک نائب قاضی بھی مقرر کیا جائے؛ تاکہ قاضی بالادست اپنے اس نائب کی استمداد سے اس گروہ ثانی کے نزاعات کا بھی تصفیہ کر سکے۔ فقط

خلیل احمد

۱۶ر فروری ۱۹۱۹ء مطابق ۱۳۳۷ھ

(ماخوذ از فتاویٰ مظاہر علوم جلد دوم: صفحہ ۲۷۲ تا ۲۷۶، قلمی

بحوالہ علمائے مظاہر علوم سہارن پور: صفحہ ۲۳۶ تا ۲۴۰)

تجاویز علمائے دیو بند

از: فخر الاسلام حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ
(مہتمم خامس دار العلوم دیو بند)

۱۹۱۷ء میں برطانوی وزیر ہند کی ہندوستان میں آمد کے سلسلہ میں ملک کے انتظام میں کچھ تغیّرات متوقع تھے، اس موقع پر دار العلوم دیو بند کی جانب سے ایک مطبوعہ تحریر کے ذریعے مسلمانوں کو اپنے ضروری حقوق طلب کرنے پر متوجہ کیا گیا، اس توجہ دہانی کی اہمیت یوں اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس وقت تک مسلمانوں کی کسی سیاسی جماعت نے اس پر توجہ نہیں دی تھی یہ تحریر جو ''تجاویز علمائے دیو بند'' کے عنوان سے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ مہتمم خامس دار العلوم دیو بند نے پیش کی تھی اس میں لکھا ہے:

''بروقت تشریف آوری وزیر ہند بہادر نظام ملک میں اہم تغیرات کی توقع کی جاتی ہے، گورنمنٹ کے اعلان ۲۰/اگست ۱۹۱۷ء سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

ایسے وقت میں مسلمانوں کے مذہبی حقوق اوران کی کامل آزادی کا تحفظ ضروری ہے سیاسی مجالس نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ علماء کا اس وقت سکوت آیندہ کے لیے مضر ثابت ہوگا، اس لیے نہایت ضروری ہے کہ منجانب علماء دیو بند جو ہندوستان کے ہر حصے میں پھیلے ہوئے ہیں اور اکثر و بیشتر حصّہ مدارس دینیہ وسلاسلِ اسلامیہ ان کے انتظام و

سپردگی میں ملاحظہ فرما کر اپنی رائے سے یا ان کے علاوہ کوئی اور تجویز آپ کی خدمت میں بھیجی جاتی ہیں کہ انکو ملاحظہ فرما کر اپنی رائے سے یا ان کے علاہ کوئی اور تجویز پیش کرنی ہو اس سے مطلع فرمائیں اور اسی مطبوعہ تحریر پر اپنی رائے ثبت فرما کر دار العلوم دیوبند میں بھیج دیں، علماء کے یہ مطالبات ہر حال میں قابلِ منظوری ہیں، خواہ ہوم رول یا سیلف گورنمنٹ اپنے اصلی معنیٰ میں ملک ہند کو دیے جائیں یا ان کا کچھ حصہ دیا جائے۔

ان تجاویز کی منظوری کے لیے گورنمنٹ سے عرض کرنا ہر حال میں اسلامی معاملات کے تحفظ اور حسبِ قوانین شرعیہ بلا کسی قسم کی مداخلت یا مزاحمت کے نفاذ کے لیے نہایت ضروری ہے:

(۱) طبقۂ علماء بحیثیت حقیقی نمائندگان عامۂ مسلمین ہونے کے کسی قسم کی تبدیلی جو مسلمانوں کے کامل آزادانہ حقوق وفوائد سیاسی یا مذہبی کے انتفاع یا تحفظ میں خطرہ پیدا کرنے کا باعث ہو، قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

(۲) مسلمانوں کے عام فوائد کے لحاظ سے یہ امر اشد ضروری ہے کہ کم سے کم ایک مسلمان عالم جو اسلامی دینیات میں دستگاہِ کامل رکھتا ہو منجانب سرکار ہر لیجس لیٹو کونسل کے لیے جماعت میں سے نامزد کیا جائے۔

(۳) **تمام معاملات فیما بین اہلِ اسلام بموجب قانون شرع محمدی مفتی و قاضی کی عدالت ہائے اسلامی سے طے ہونے چاہئیں اور اس قسم کی عدالتیں شرع محمدی کے مطابق ملک ہند میں قائم ہونی چاہئیں۔**

(۴) **تحفظ اوقاف ومساجد ومعابد ومقابر وغیرہ وغیرہ اہل اسلام زیر نگرانی شیخ الاسلام بموجب قواعد شرعیہ اسلام ہونی چاہئیں۔**

(۵) کوئی ایکٹ واضعان آئین وقوانین جو اس معاملے میں قوانین شرعیۂ اسلام سے متصادم ہو، نافذ نہیں ہونا چاہیے۔

(۶) ایک علیحدہ محکمہ بماتحتی شیخ الاسلام کے جس کے ارکان علماء میں سے انتخاب کیے جاویں قائم ہونا چاہیے، ہر فرقے کے قائم مقام اس کی مجلس کے رُکن ہوں اور اس فرقے کے معاملات کی نگرانی اُن کے سپرد کی جائے۔

(۷) معاملات مذہبی فیما بین اہل اسلام و دیگر اقوام کا تصفیہ مخلوط عدالتوں میں ہونا چاہیے۔

(۸) تعلیم و مذہبی کو قطعاً آزاد رہنا چاہیے اور کوئی ایسا قانون جو اس میں رکاوٹیں پیدا کر سکے نافذ نہیں ہونا چاہیے۔

(۹) سند یافتگان مدارس مذہبی کو ان صیغہ جات میں جو ان کے مناسب حال ہوں ملازمت ملنی چاہیے۔

(۱۰) خزانۂ عامرہ سے سالانہ ایک خاص (امداد) تعلیم مذہبی کے واسطے ملنی چاہیے۔

خادم اسلام

محمد احمد

مہتمم دارالعلوم دیوبند

(ماخوذ از روداد سالانہ مدرسہ عالیہ عربیہ دیوبند

بابت ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۷ء، تاریخ دارالعلوم دیوبند)

تائید تجویز علمائے دیوبند

(از: مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ شاہ جہاں پوری ثم دہلویؒ)

اسلامی عقائد کے بموجب بہت سے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے قاضی یا حاکم کا مسلمان ہونا شرط ہے۔ مثلاً ایک عورت کا نابالغی کی حالت میں باپ دادا کے سوا کسی اور ولی نے نکاح کر دیا۔ نکاح تو صحیح ہو گیا؛ لیکن عورت کو بلوغ کے وقت یہ اختیار ہوتا ہے کہ اس نکاح کو پسند کر کے باقی رکھے یا ناراضی ظاہر کر کے فسخ کر دے؛ مگر اسلامی احکام کی رو سے عورت خود نکاح کو فسخ نہیں کر سکتی؛ بل کہ ضرورت ہے کہ مسلمان قاضی سے فسخ کرائے۔

اسی طرح کسی عورت کا خاوند چار پانچ سال سے مفقود الخبر ہو گیا ہے اور عورت کے لیے گزارے کی کوئی صورت نہیں یا اس کے جوان ہونے کی وجہ سے اس کی عصمت محل خطر میں ہے۔ ایسی حالت میں ضرورت ہے کہ مسلمان قاضی سے خاوند کی موت کا حکم حاصل کیا جائے اور عورت عدتِ وفات پوری کر کے دوسرا نکاح کر لے۔

اسی طرح عبادات و معاملات بالخصوص نکاح، طلاق، میراث، وقف، شفعہ وغیرہ کے ہزاروں مقدمات ایسے ہوتے ہیں جن میں مسلمان حاکم کے فیصلے اور حکم کی ضرورت ہے۔ غیر مسلم حاکم کا حکم یا فیصلہ شرعی نقطۂ نظر اور اسلامی عقائد کے بموجب کافی نہیں۔

گورنمنٹ انگلشیہ کے شاہی اعلان ۱۸۵۸ء کے بموجب اگرچہ رعایا کو مذہبی آزادی حاصل ہے اور قوانین گورنمنٹ احکام مذہبیہ کے موافق کرنے کے مدعی ہیں؛ لیکن

اس کے ساتھ ہی یہ نا قابل انکار حقیقت بھی ہمارے پیش نظر ہے کہ گورنمنٹ کی عدالتوں میں مسلم وغیر مسلم دونون قسم کے حاکم مسند آرائے سریر حکومت ہوتے ہیں بل کہ اعلیٰ عدالتوں میں غیر مسلم عنصر ہی غالب ہے۔ بہت سے شہر اور قصبے ایسے ہیں جہاں ایک بھی منصف یا جج مسلمان نہیں ؛مگر

اس لحاظ سے گورنمنٹ کا اعلانِ مذکور اور موجودہ قوانین ان مقدمات کے متعلق جن میں حاکم کا مسلمان ہونا شرط ہے بالکل غیر مفید اور نا کافی ہیں اور مسلمانوں کی اس شدید ترین مذہبی ضرورت کے پورے ہونے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔

ہندوستان میں بلا مبالغہ ہزاروں عورتیں ایسی ہوں گی جو اپنے خیار بلوغ کو اس وجہ سے استعمال نہیں کر سکتیں کہ مسلمان حاکم میسر نہیں اور اگر ناواقفیت کی وجہ سے غیر مسلم سے فسخ نکاح کا حکم حاصل کر کے دوسرا نکاح کر لیتی ہیں تو وہ اسلامی عقائد کے بموجب گناہ گار اور مرتکب حرام ہوتی ہیں۔

ہزاروں عورتیں جن کے خاوند مفقود ہیں مسلم عدالت نہ ہونے کے باعث عذاب میں مبتلا ہیں۔ زندگی بیکار ہے، رات دن مصیبت جھیلتی ہیں اور اسی طرح بہت سے دینی اور قومی اغراض اسلامی عدالت نہ ہونے کی وجہ سے ملیا میٹ ہو رہے ہیں۔

مجوزہ درخواست یہ ہے:

گورنمنٹ مسلمانوں کے خالص مذہبی معاملات اور ان مقدمات کے فیصلے کے لیے جن میں مسلمان قاضی شرط ہے، ہر ضلع میں ایک شرعی عدالت قائم کر دے اور اس میں ایک مسلمان قاضی (جو علم شریعت کا عالم اور متدین ہو) مقرر کر دے اور اس کو ان

مقدمات کے متعلق ''ڈسٹرکٹ جج'' کے برابر اختیار عطا کیے جاویں اور ہر صوبے میں ان ماتحت عدالتوں کے احکام کے خلاف اپیل کرنے کے لیے ایک بڑی عدالت قائم کی جائے۔

یہ درخواست کا مجمل خاکہ ہے، اس کی اجمالی عام منظوری کے بعد ان احکام کی تعیین جو ان شرعی عدالتوں میں طے ہونے ضروری یا مناسب ہیں، علمائے ہندوستان کی ایک منتخبہ جماعت کردے گی اور اس کے دیگر مراحل پر بھی مفصل بحث کی جاسکے گی۔

کتبہ

محمد کفایت اللہ غفرلہ

مدرس اوّل مدرسہ امینیہ۔ دہلی۔ ۱۹۱۷ء

(بحوالہ سیاسی ڈائری شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ)

تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

متحدہ ہندوستان کو حضرت شاہ عبد العزیز فاروقی دہلویؒ کے فتوی میں دار الحرب قرار دینے کے بعد سے آج تک یہاں امارت وقضا کے قیام کی تجویزیں تو وقتاً فوقتاً پیش ہوتی رہیں؛ **لیکن امارت وقضا کے بنیادی شرائط قدرت علی الانام اور قوت تنفیذ احکام کے شرعی وقانونی فقدان کی وجہ سے ہنوز روز اول ہے۔** لہٰذا تصریحات مذکورہ کی روشنی میں بحالت موجودہ غیر معتبر قاضی کا فسخ نکاح شرعاً معتبر نہیں ہوگا، نتیجتاً اس سے تحلیلِ حرام لازم آئے گا؛ اس لیے اس سے اجتناب لازم وضروری ہے۔ اس کا صحیح ومعتبر اور شرعی طریقہ یہ ہے کہ ہندوستان میں دار القضاء کے بجائے شرعی پنچایت کا نظام ہی قائم کیا جائے (جیسا کہ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۸۷ء تک مسلم ومستند اہل علم وافتاء کی تحریرات سے بالکل واضح ہے)۔

واللہ ولیّ التوفیق والھدایۃ والعاصم من الغباوۃ والغوایۃ

مجد القدوس خبیب رومی عفا اللہ عنہ

دار الافتاء مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور

امارتِ شرعیہ ہند کے بارے میں

مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور کا مسلک وفیصلہ

محترم المقام جناب مولانا اسعد مدنی صاحب زیدت حسناتکم!

صدر جمعیۃ علمائے ہند وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مؤرخہ ۲۶؍جنوری ۱۹۸۷ء کو اجلاس جمعیۃ علمائے ہند منعقدہ کان پور میں شرکت کے لیے آں جناب کا دعوت نامہ موصول ہوا۔ یاد فرمائی کا شکریہ! ضروری مسروفیات کی بنا پر حاضر نہ ہوسکوں گا۔ میری اور مدرسہ کی جانب سے اس اجلاس میں شرکت کے لیے مولانا مفتی مجد القدوس خبیب رومی صاحب مفتی مدرسہ تشریف لارہے ہیں۔

اس وقت یہ وضاحت نہایت ضروری اور اہم ہے کہ ۱۹۴۷ء کے اجلاس سہارن پور میں اس ملک کے ممتاز علما ومشائخ کو انعقاد امارت شرعیہ ہند سے اتفاق نہ ہوسکا تھا جیسا کہ دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارن پور اور خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے علما ومفتیان اور اکابر عظام کی عدم موافقت انتخاب امیر شریعت ہند کے بارے میں ہمارے استاذ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارن پور نے اپنے رسالہ ''جزء الامارۃ'' میں تحریر فرمائی ہے جو ''معارف شیخ'' جلد اول میں مطبوعہ ہے (وہ بغرض ملاحظہ ہمرشتہ تحریر ہے)

چناں چہ مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کے موجودہ اصحاب حل وعقد کا ہنوز وہی مسلک وفیصلہ ہے جو اکابر مظاہر علوم کا تھا، وہو ہذا! ''جہاں تک اہل مذہب کی نصوص کا تتبع کیا گیا تو امیر سے متعلق جو شرائط حضرات فقہائے کرامؒ نے بیان فرمائی ہیں وہ اس وقت ہندوستان میں متحقق نہیں ہیں؛ لہٰذا کسی ایسے امیر کا انتخاب جس میں شروط معتبرہ عندالشرع موجود نہ ہوں اس پر شرعی امیر کا اطلاق نہیں ہوسکتا!

امید کہ مزاج بخیر ہوگا، فقط۔ والسلام

العبد مظفر حسین المظاہری، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور

تراضیٔ مسلمین سے جو قاضی ہوتا ہے وہ شرعی قاضی شمار نہیں ہوتا!

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ

''اس سے کون شخص انکار کرسکتا ہے کہ حضرت گنگوہیؒ کے حکم کے بعد گنگوہ میں، حضرت شیخ الہندؒ کے ارشاد سے دیوبند میں، حضرت سہارن پوریؒ کی (تجویز سے) سہارن پور میں، حضرت تھانویؒ کے حکم سے تھانہ بھون میں کوئی بھی شرعی حیثیت سے انکار نہیں کرسکتا تھا؛ لیکن ان حضرات نے کہیں بھی بہ تراضی مسلمین مواقع مذکورہ میں قاضی مقرر نہیں کیا؛ بل کہ بار بار حکومت سے تجویز قاضی (قاضی مقرر کرنے) کا مطالبہ کرتے رہے، اسی وجہ سے ''حیلۂ ناجزہ'' کی تالیف ہوئی جس کی ابتدائی تحریک خود حضرت مدنیؒ کی طرف سے ہے۔ اگر غیر قادر (بے اقتدار) قاضی کافی ہوتا تو اس مخمصہ کی ضرورت نہ تھی'' (ماخوذ از معارف شیخ، مصدقہ از اکابر مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور)

Majlis-e-Tarjaman-e-Haq
18/14, Miya'n Nazeer Marg, Taj Ganj, Agra, 282001 (U.P.) India